علمی، ادبی، اصلاحی، تحقیقی، اسلامی صحافت کا عظیم شاہکار

ماہنامہ

ندائے جود

لاہور

جلد دوازدہم — شمارہ 05 نومبر 2019ء

www.jamiaashrafiaschool.com

سیرۃ النبی ﷺ نمبر



وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اسوۂ رسول اکرم ﷺ اور ہماری ذمہ داریاں

حافظ جود عبید

حکومت پاکستان سے منظور شدہ

بیاد

ولی کامل
حضرت اقدس
محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم جامعہ اشرفیہ

علمی، ادبی، اصلاحی، تحقیقی، اسلامی صحافت کا عظیم شاہکار

ماہنامہ

ندائے اجود

جلد دوازدہم —— شمارہ 05 نومبر 2019ء

www.jamiaashrafiaschool.com

قیمت فی شمارہ 100 روپے / سالانہ 1000 روپے

بدل اشتراک

ریاست ہائے متحدہ، امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، برطانیہ، ناروے، جرمنی، تھائی لینڈ، برما، ویسٹ انڈیز ← 175/- امریکی ڈالر

سعودی عرب، انڈیا، بحرین، عمان، متحدہ عرب امارات، ایران، بنگلہ دیش، دبئی، ابوظہبی، ← 150/- امریکی ڈالر

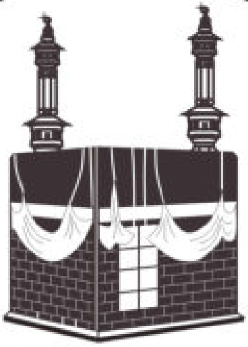
(خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ) دفتر ماہنامہ ندائے اجود لاہور

آفس: 310 اشرفیہ پلازہ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن لاہور ای میل: nidae.ajwad@yahoo.com

فیکس: 042-37428387 Office: 042-37428389

اکاؤنٹ نمبر: 0197-4076508 بینک N.I.B. برانچ وحدت روڈ لاہور

چیف ایڈیٹر حافظ اجود عبید نے عکاظ پرنٹر 72 فیروز پور روڈ شمع پلازہ لاہور سے چھپوا کر اشرفیہ پلازہ اقبال ٹاؤن لاہور سے شائع کیا



حمد باری تعالیٰ

انتخاب (حافظ عباد اجود)

گر وقت آپڑا ہے مایوس کیوں کھڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

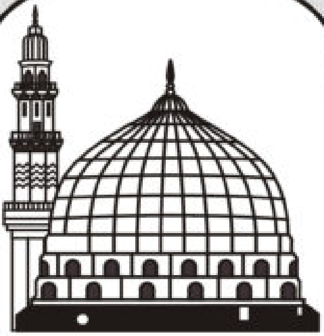
مانا کہ ظلمتوں کے ہر سمت ہیں بسیرے
لیکن کبھی تو ہوں گے انصاف کے سویرے
مہکیں گے غنچے گل پھل، گائے گی کوئی بلبل
حالات کی صدا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

پتھریلی وادیوں میں وہ دیکھ گر نظر ہے
چھری تلے پسر ہے ایک خواب کا اثر ہے
چھری نہیں چلی کیوں؟ گردن نہیں کٹی کیوں
کس کا حکم چلا ہے؟ اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

یہ خون بے کسوں کا جائے گا نہ رائیگاں
ہم دیکھیں یا نہ دیکھیں، دیکھے گا یہ زمانہ
اٹھے گی کوئی چنگاری، آئے گی ان کی باری
قدرت کا فیصلہ ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

قہر و جبر کے بت یہ جو سامنے کھڑے ہیں
پانی کے بلبلے ہیں بس نام کے بڑے ہیں
اک گن کی مار ہیں یہ، جتنے گنوار ہیں یہ
تاریخی سلسلہ ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

فرعون اور پانی، ہو گئی ختم کہانی
بچوں سے بوجہل کی چھنوائی زندگانی
اللہ کے کام سارے دن کو دکھائے تارے
کیسا حشر ہوا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے



نعت رسول مقبول ﷺ

انتخاب (حافظ فواد اجود)

حلیمہ میں تیرے مقدراں توں صدقے — توں مدنی ﷺ دا جھولا جھولیندی وی ہوسیں
تو مدنی ﷺ دا مکھڑا نورانی نورانی — تکدی تے رہی ہیں چومیندی وی ہوسیں
محبت دے وچ آکے بوسے دی خاطر — لباں وچ لباں کوں ملیندی وی ہوسیں
اے فلکاں دا چن ہے کھیڈاؤنا وی جس دا — توں اس بے مثل نوں کھیڈیندی وی ہوسیں
اے انگلی نپا کے تے ویڑے دے اندر — رب دے سجن کوں ٹریندی وی ہوسیں
زمانے دی تتیاں ہواواں دے کولوں — نبوت دے پھُل نوں لکیندی وی ہوسیں
کدی نال نزاکت دے سوہنا — اور رُسدا وی ہوسی توں منیدی وی ہوسیں
نوا کے سجا کے تے کجلا وی پا کے — تے ٹھوڑی ہلا کے ہسیندی وی ہوسیں
حلیمہ میں تیرے مقدراں تو صدقے — توں مدنی ﷺ دا جھولا جھولیندی وی ہوسیں
تو مدنی ﷺ دا مکھڑا نورانی نورانی — تکدی تے رہی ہیں چومیندی وی ہوسیں

عکسِ جمیل

فہرستِ مضامین

اداریہ

چیف ایڈیٹر کے قلم سے

اسوۂ رسول اکرم ﷺ اور ہماری ذمہ داریاں

ماہِ ربیع الاوّل آتے ہی ہر جگہ سیرت النبی ﷺ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ میلاد النبی ﷺ کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔ ہر جگہ محسنِ انسانیت کا ذکر ہوتا ہے، چراغاں کیا جاتا ہے عقیدت و محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ صد افسوس کہ ربیع الاوّل گزر جانے کے بعد خاموشی ہو جاتی ہے۔ پھر سارا سال مسلمان سیرت النبی ﷺ کو بھول جاتے ہیں۔ ربیع الاوّل میں بہت سی رسومات نمایش کے لیے منائی جاتی ہیں۔ کاش! ہم محسن انسانیت ﷺ کی سیرتِ مقدسہ پر عمل کرتے، رسومات کو چھوڑتے اور پورا سال اپنے 24 گھنٹے کی زندگی میں حضور ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے۔ جو دونوں جہاں کی کام یابی کا ذریعہ بنتا۔ حضور ﷺ پوری کائنات کے محسن بن کر آئے۔

قارئین نداءِ اجود، الحمدللہ! ہر سال کی طرح اس سال بھی ماہِ ربیع الاوّل میں ماہ نامہ نداءِ اجود لاہور، نے سیرت النبی ﷺ نمبر شائع کیا ہے۔ جس میں صرف اس ہستی کے ذکر سے رسالہ مزین کیا گیا ہے۔ جس کے ذکر کو خود خالق کائنات، مالک لم یزل، رب العرش والسماوات نے بلند کر دیا ہے۔ میرا ایمان اور یقین ہے، اگر ساری دنیا کے سمندر مل کر سیاہی بن جائیں، سارے درخت قلم بن جائیں اور پوری انسانیت مل کر حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ لکھنا شروع کر دیں۔ تو سارے سمندر ختم ہو جائیں گے، انسانیت ختم ہو جائے گی، لیکن میرے مصطفیٰ کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ختم نہیں ہوگی۔ جس ذاتِ گرامی کی تعریف و توصیف خود رب کائنات، انسانیت کے نام آخری پیغام میں کر رہا ہو۔: بے شک آپ ﷺ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔ ''ورفعنا لک ذکرک'' (اور ہم نے تیرے لیے تیرے ذکر کو بلند کر دیا)۔

ربیع الاوّل آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے، جس کی آغوش میں اس عظیم ہستی نے آنکھ کھولی، جس نے روئے زمین پر رہنے والے لوگوں کے دلوں میں ایسا انقلاب بپا کیا، جس کی مثال رہتی دنیا تک بڑے سے بڑا لیڈر بھی پیش کرنے سے قاصر ہے، وہ ہستی جس نے آ کر ظلمت و جہالت، نفرت و عداوت، شرک و بدعت کے طوفانوں کا رخ موڑ کر علم و حکمت، اخلاق و مروت، عدل و اخوت، عقیدت و محبت کے اجالے سے کرۂ ارض کو روشن کر دیا۔

قارئین نداءِ اجود! اس ماہ کے اداریہ میں ہم حکومت پاکستان اور اپوزیشن کے متعلق اپنا تجزیہ اور رائے پیش کریں گے۔ امید ہے کہ آپ کو ہماری یہ تحریر پسند بھی آئے گی اور ہماری رائے سے اتفاق بھی کریں گے۔

پی ٹی آئی کی حکومت جب سے قائم ہوئی ہے۔ اپوزیشن سے اس حکومت کے تعلقات قائم نہیں ہو سکے۔ احتسابی اور

کامیابی کا انحصار قسمت پر کم اور عقل و محنت پر زیادہ ہے۔

عدالتی کارروایوں سے قطع نظر، اپوزیشن کے مقام و مرتبے کا احساس وادراک لازم ہے۔ اسپیکر قومی اسمبلی اس حوالے سے اپنی خودمختاری کا اظہار کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ الیکشن کمیشن کے دو ارکان کی خالی آسامیاں پُر کرنے کے لیے وزیراعظم اور قائد حزبِ اختلاف میں رابطہ ممکن نہیں ہو پایا۔ حکومت کے کئی وزراء الفاظ کی گولہ باری میں مصروف رہتے ہیں، جس سے اشتعال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ پی ٹی آئی، حکومت ملنے کے بعد بھی اپنی زبانوں میں چھریاں رکھتے ہیں۔ بیان بازی ایسی کہ سُن کر انسانیت بھی شرمندہ ہوجائے۔ اس اشتعال کی وجہ سے آج اپوزیشن نے ساری جماعتوں کے ساتھ مل کر اسلام آباد میں پاور شو کا انعقاد کیا۔ جو کراچی سے سکھر، ملتان، لاہور سمیت مختلف شہروں میں جلسہ عام منعقد کرتا ہوا اسلام آباد میں داخل ہوا۔ جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام اپوزیشن جماعتوں کے ''آزادی مارچ'' کا وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں پڑاؤ تادم تحریر جاری ہے۔ جمعے کی شام پشاور موڑ پر ایک بڑا تاریخی عوامی جلسہ منعقد ہوا، جس میں تقریباً تمام اپوزیشن راہ نماؤں: مولانا فضل الرحمن، میاں شہباز شریف، بلاول بھٹو، محمود خان اچک زئی، انس نورانی، اسفندیار، آفتاب خان شیر پاؤ و دیگر نے بہت بڑے مجمعے سے خطاب کیا۔ حکومت کو ملک کی موجودہ مشکلات کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے وزیراعظم عمران خان کے استعفا کا مطالبہ کیا۔ مولانا فضل الرحمن نے استعفا کے لیے دو دن کی مہلت دیتے ہوئے مطالبہ تسلیم نہ ہونے کی صورت میں اپنی تجاویز دیں، جس میں درج ذیل کام کیے جاسکتے ہیں۔ (۱) ڈی چوک تک مارچ (۲) شٹر ڈاؤن ہڑتال (۳) لاک ڈاؤن کرنے کی دھمکی دی اور کارکنوں کو جلسہ گاہ میں موجود رہنے کا حکم دیا۔ قائد جمعیت نے کہا: یہ تحریک اس وقت تک جاری رہے گی جب تک عمران خان استعفا نہیں دے گا۔ پاکستان میں عوام کا ایک بڑا طبقہ موجودہ حکومت کی پالیسیوں اور اقدامات سے خوش نہیں ہے۔ ملک کے اندر بہت سے حلقوں کا یہ خیال ہے کہ گزشتہ عام انتخابات میں تبدیلی کے عنوان سے سامنے لایا جانے والا سیٹ اپ، عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں کام یاب نہیں ہوسکا۔ عام آدمی ایک بار پھر کسی ''تبدیلی'' کی طرف دیکھنے لگا ہے۔ حکومت کے حامی سمجھے جانے والے بہت سے مبصرین نے بھی خیال ظاہر کیا ہے۔ اگر حکومت اپنی اب تک کی کارکردگی سے عوام کو مطمئن کرنے میں کام یاب ہوتی تو شاید وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں اتنے بڑے مخالفانہ ریلے کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اب یہ حکومت اور ملک کے مقتدر اداروں کے سوچنے کی بات ہے۔ وہ اس عوامی مظاہرے کے مضمرات اور پیغام کے بعد کیا لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں۔

عمران خان ملک کے حکمران ہیں، ایک ریاست کے حکمران ہونے کی حیثیت سے انہیں نہ صرف اپنی سوچ اور طرز عمل میں فکر و تدبر، تحمل اور وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اپنی زبان اور لب و لہجے کو بھی درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر انہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اس وقت ایک جم غفیر دارالحکومت میں موجود ہے۔ جس کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا سیدھا سیدھا مطلب ملک کو انتشار میں ڈالنا ہے۔ انہیں اس بات کا ادراک ہونا چاہیے، خدانخواستہ حالات بگڑ گئے تو اس کا سب سے زیادہ وبال بھی حکومت کے ساتھ ساتھ اہم اداروں اور ملک پاکستان کی

اپنی زندگی کو اپنے انداز کے مطابق بسر کرنے کے قابل ہو جانا ہی کامیابی ہے۔

سلامتی پر آئے گا۔اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ نازک حالات میں سب سے زیادہ ذمہ داریاں حکومت پر عاید ہوتی ہیں، وزیر اعظم عمران خان اور اس کے وزراء کو اس موقع پر نہایت ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ فیصلے اور اقدامات کرنے چاہییں۔اس سے بھی بڑھ کر اپنی زبان و بیان اور لب و لہجے کو درست، شائستہ اور پر وقار رکھنے پر توجہ دینی چاہیے۔وہ وقت یاد کرنا چاہیے!جب وہ دھرنے اور جلسے کر رہے تھے تو اُس وقت کیا کیا باتیں کرتے تھے اور اُس دور کی حکومت نے کس طرح تحمل و برداشت کیا تھا۔

اس صورت حال کا ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ موجودہ احتجاجی تحریک کی قیادت جمعیت علمائے اسلام کر رہی ہے۔یہ اسلامی تشخص رکھنے والی ایک دینی وسیاسی جماعت ہے۔اس جماعت کی اپیل پر ایک جمِ غفیر کا اسلام آباد میں جمع ہونا ان قوتوں کے لیے چونکا دینے والی بات ہے، جو پاکستان کے اسلامی تشخص سے ناخوش ہیں۔اِن قوتوں کی یہ دیرینہ خواہش رہی ہے کہ پاکستان کی دینی قوتوں اور ریاستی اداروں کو باہم دست و گریباں کروادیا جائے۔پاکستان کی جغرافیائی ونظریاتی سرحدوں کا دفاع کمزور پڑ جائے۔اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے ریاستی اداروں اور دینی قوتوں کو اس امر کا ادراک ہونا چاہیے۔اگر کسی بھی جانب بے تدبیری سے خدانخواستہ دشمن قوتوں کو اپنے ایجنڈے کی تکمیل کا موقع مل گیا، تو اس کے نتائج انتہائی تباہ کن ہوں گے۔ اس لیے تمام فریقوں کو نہایت ہوش مندی اور حکمت وبصیرت کا ثبوت دینا ہے۔ملک کے اندر کسی بھی قسم کے تصادم کے امکان کو ہر قیمت پر روکنا ہے۔اس میں سب سے بڑا کردار ہماری اسٹیبلش منٹ کا ہوگا۔اس وقت انتہائی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے ادارے اسٹیبلش منٹ اپنے آپ کو غیر جانب دار رکھیں۔بصورت دیگر ناعاقبت اندیشی سے کام لیا گیا اور یہ تصور پیدا کیا گیا کہ ہماری اسٹیبلش منٹ حکومت کے ساتھ کھڑی ہے تو یہ جانب دارانہ رویہ اس ملک کو کہیں، کسی ایسے نقصان میں نہ مبتلا کر دے، جس کی تلافی ممکن نہ ہو سکے۔اس لیے ہماری افواج پاکستان سے بھرپور اپیل ہے۔اس ملک پاکستان میں جتنے بھی عوام ہیں: سیاسی پارٹیاں، بزنس کمیونٹی، ڈاکٹرز، کسان، غربا و مساکین اور ہر طبقہ فکر کے لیے فوج کا مساوی کردار ہے۔یہ تاثر دینا کہ افواج پاکستان کی حمایت کسی ایک گروہ، کسی ایک سیاسی پارٹی، کسی ایک اہم جماعت کے ساتھ مخصوص ہے یہ تاثر درست نہیں ہے۔اس لیے افواج پاکستان کو غیر جانب دارانہ، ذمہ دارانہ، مدبرانہ، مشفقانہ اور ہمدردانہ رویہ اپنانا ہوگا۔ورنہ پوری دنیا بالخصوص ترکی، مصر، لبنان، شام، کشمیر اور ہندوستان کے حالات ہم سب کے سامنے ہیں۔اللہ ہم سب کی، ہماری پوری قوم، ہماری سیاسی جماعتوں، ہمارے مقتدر اداروں اور خاص طور پر افواج پاکستان کی غیبی مدد فرمائے۔اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین!

والسلام

آپ کی دعاؤں کا طالب: حافظ اجود عبید

ایمان کے بعد افضل ترین نیکی مخلوق کو آرام دینا ہے۔



درسِ قرآن

ماخوذ از تفسیر ابن کثیر

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تم کو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے، فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (آل عمران، رکوع ۸ آیت ۸۱)

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے تمام انبیا کرامؑ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جب کبھی ان میں سے کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب وحکمت دے اور وہ بڑے مرتبے تک پہنچ جائے پھر اس کے بعد اسی کے زمانے میں رسول آ جائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت وامداد کرنا اس کا فرض ہوگا۔ یہ نہیں کہ اپنے علم ونبوت پر نظر ڈال کر اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رک جائے۔ ان سے کہا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور میرا بوجھل مضبوط عہد ومیثاق لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہاں ہمارا اقرار ہے۔ تو فرمایا گواہ رہو اور میں خود بھی گواہ ہوں اور اگلی آیت میں فرمایا: اب اس عہد ومیثاق سے جو پھر جائے وہ قطعی فاسق، بے حکم اور بدکار ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کر دے کہ وہ بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی فرماں برداری میں لگ جائے۔ طاؤسؒ، حسن بصریؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ نبیوں

کریم وہ ہے کہ جب وعدہ کرے تو اس کو پورا کرے

سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تفسیر اوپر کی تفسیر کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کی تائید ہے اسی لیے حضرت طاؤسؒ سے ان کے لڑکے کی روایت مثل روایت حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے بھی مروی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا رسول اللہؐ! میں نے ایک دوست قریظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ تورات کی جامع باتیں مجھے لکھ دے تو اگر آپ ﷺ فرمائیں میں انہیں پیش کروں۔ حضور ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن ثابتؓ نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ آپ ﷺ کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد ﷺ کے رسول ہونے پر خوش ہوں۔ اس وقت حضور ﷺ کا غصہ دور ہوا اور فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر (حضرت) موسیٰؑ بھی تم میں آجائیں اور تم ان کی فرماں برداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ۔ تمام امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں۔

مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ ہیں تم کو راہ راست کیسے دکھائیں گے؟ بلکہ ممکن ہے کہ تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا کسی حق کی تکذیب کر بیٹھو، اللہ تعالیٰ کی قسم اگر موسیٰ بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی بجز میری فرماں برداری کے اور کچھ حلال نہ تھا۔ بعض احادیث میں ہے کہ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور امام اعظم ہیں۔ جس زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی نبوت ہوتی آپ ﷺ واجب الاطاعت تھے اور تمام انبیاء کی اتباع پر جو اس وقت ہوں آپ ﷺ کی فرمانبرداری مقدم رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ معراج والی رات بیت المقدس میں تمام انبیاؑ کے امام آپ ﷺ ہی بنائے گئے۔ اسی طرح میدان محشر میں بھی اللہ تعالیٰ کو فیصلوں کے لیے لانے میں شفیع آپ ﷺ ہی ہوں گے یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ ﷺ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں تمام انبیاء اور کل رسول اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے بالآخر آپ ﷺ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام میں کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنے درودو سلام آپ ﷺ پر ہمیشہ ہمیشہ بھیجتا رہے قیامت کے دن تک، آمین۔

قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا



درس حدیث

ادارہ

حدثنا حمید بن مسعدة البصری قال حدثنا عبد الوهاب الثقفی عن حمید عن أنس بن مالک قال کان رسول الله ﷺ ربعة لیس بالطویل ولا بالقصیر حسن الجسم وکان شعره لیس بجعد ولا سبط أسمر اللون إذا مشی یتکفأ...

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ درمیانہ قد تھے، نہ زیادہ طویل نہ زیادہ چھوٹے، نہایت خوبصورت معتدل بدن والے، حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریالہ پن تھا) نیز آپ گندمی رنگ کے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ چلتے تو آگے کو جھکے ہوئے چلتے۔ حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مردِ میانہ قد تھے۔ (قدرے درازی مائل جیسا کہ پہلے گزر چکا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے اوروں سے زیادہ فاصلہ تھا۔ (جس سے سینہ مبارک چوڑا ہونا بھی معلوم ہوگیا) گنجان بالوں والے، جو کان کی لو تک ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ میں نے کسی پٹھوں والے کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈھوں تک رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لانبے تھے نہ زیادہ چھوٹے۔ (شمائل ترمذی: جلد اول)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لانبے تھے، نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لیے محمود ہیں اس لیے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بھی بڑا تھا۔ اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا آپ ﷺ سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا۔

(شمائل ترمذی: جلد اول)

ابراہیم بن محمد جو حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لانبے تھے، نہ زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے۔ بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لیے ہوئے تھے، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہو جاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہ تھے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ ﷺ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے تھے (یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے کہ اس طرح دوسروں کے ساتھ لاپروائی ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہو جاتی ہے، بلکہ سینہ مبارک سمیت اس طرف رخ فرماتے)۔

حضرت مولانا
مفتی محمد شفیع عثمانیؒ



سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مطہر تمام دنیا سے زیادہ شریف اور پاک ہے اور یہ وہ بات ہے کہ تمام کفار مکہ اور آپ کے دشمن بھی اس سے انکار نہ کر سکے۔ ابوسفیان نے بحالت کفر شاہ روم کے سامنے اس کا اقرار کیا حالانکہ وہ اس وقت چاہتے تھے کہ اگر کوئی گنجائش ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عیب لگائیں۔

جس طرح آفتاب سے پہلے صبح صادق کی عالمگیر روشنی اور پھر شفق سرخ دنیا کو طلوع آفتاب کی بشارت دیتے ہیں اسی طرح جب آفتاب نبوت کا طلوع ہوا تو اطراف عالم میں بہت سے ایسے واقعات ظاہر کیے گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دیتے تھے جن کو محدیثن و مورخین کی اصطلاح میں ارہاصات کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بطن میں بصورت حمل مستقر ہوئے تو انہیں خواب میں بشارت دی گئی کہ وہ بچہ جو تمہارے حمل میں ہیں اس امت کا سردار ہے۔ جب وہ پیدا ہوں تو تم یوں دعا کرنا ان کو ایک خدا کی پناہ میں دیتی ہوں ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھنا۔ (سیرت ابن ہشام) اور فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل رہنے کے بعد میں نے ایک نور دیکھا جس سے شہر بصرہ علاقہ شام کے محلات ان کے سامنے آگئے۔ (ابن ہشام) اور فرماتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو کوئی حمل نہیں دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ سہل اور سبک ہو یعنی ایام حمل میں جو متلی یا ستی وغیرہ عموماً عورتوں کو رہتی ہے وہ مجھے پیش نہیں آئیں۔

ان کے علاوہ اور بہت سے واقعات رونما ہوئے جن کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک پیدا نہیں ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ کو ان کے والد عبدالمطلب نے حکم کیا کہ مدینہ طیبہ سے کھجوریں لائیں۔ عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بصورت حمل چھوڑ کر چلے گئے۔ اتفاقاً وہیں ان کی وفات ہوگئی اور والد کا سایہ پیدائش سے پہلے ہی سر سے اٹھ گیا۔

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ نے اور چندروز کے بعد ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ اس کے بعد یہ دولت خداداد حلیمہ سعدیہؓ کو نصیب ہوئی۔ (مغلطائی)

شرفا عرب کی عام عادت تھی کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے قرب وجوار کے دیہات میں بھیج دیتے تھے جس سے بچوں کی جسمانی صحت بھی

اچھا انسان وہی ہے جس کی سوچ تعصب سے بالاتر ہو۔

اچھی ہوجاتی تھی اور وہ خالص عربی بھی سیکھ جاتے تھے اور اسی لیے گاؤں کی عورتیں اکثر شہروں میں شیر خوار بچے لینے کے لیے جایا کرتیں۔
جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چار پانچ برس ہوئی تو مدینہ سے واپس ہوتے ہوئے بمقام ابواء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے بھی دنیا سے رحلت فرمائی۔ بچپن کا زمانہ چھ سال کی عمر ہے والد کا سایہ پہلے ہی اٹھ چکا ہے والدہ کی آغوش شفقت کا بھی خاتمہ ہوا لیکن یہ یتیم جس آغوش رحمت میں پرورش پانے والا ہے وہ ان اسباب سے بے نیاز ہے۔(مغلطائی)
والدین کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس رہے لیکن خدائے قدوس کو دکھلانا تھا کہ یہ نونہال محض آغوش رحمت میں پرورش پانے والا ہے مسبب الاسباب ان کی تربیت کا خود کفیل ہو چکا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ برس دو مہینہ دس دن کی ہوئی تو عبدالمطلب بھی دنیا سے رحلت فرما گئے۔
اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولی ہوئے ان کے پاس رہے یہاں تک کہ آپ کی عمر شریف بارہ برس دو مہینہ کی ہوئی تو ابوطالب نے تجارت کے لیے ملک شام کے سفر کا ارادہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر شام کی طرف چلے راستے میں مقام تیماء میں اقامت فرمائی۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام تیماء میں مقیم تھے کہ اتفاقاً یہود کے ایک بڑے عالم جن کو بحیرا راہب کہا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ابوطالب سے خطاب کیا کہ یہ لڑکا جو آپ کے ساتھ ہے کون ہے؟ ابوطالب نے کہا کہ میرا بھتیجا ہے بحیرا نے کہا کیا آپ اس پر مہربان ہیں اور اس کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں، ابوطالب نے کہا بے شک، یہ سن کر بحیرا نے خدا کی قسم کھائی اور کہا اگر تم اس کو شام لے گئے تو اس کو یہود قتل کر ڈالیں گے کیونکہ یہ خدا کا نبی ہے جو یہود کے دین کو منسوخ کرے گا میں اس کی صفات اپنی کتاب میں پاتا ہوں۔
بحیرا راہب چونکہ تورات کا عالم تھا۔ اور تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا مذکور تھا اس لیے اس نے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا کہ یہ وہی خاتم الانبیاء ہیں جو تورات کو منسوخ اور احبار یہود کی حکومت کا خاتمہ کریں گے ابوطالب کو بحیرا کے کہنے سے خطرہ پیدا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ معظّمہ واپس بھیج دیا۔(مغلطائی)
مکہ معظّمہ میں خدیجہؓ اس وقت ایک مالدار عورت تھیں اور ساتھ ہی نہایت عقلمند اور تجربہ کار، جن لوگوں کو ہوشیار اور معتبر سمجھتیں ان کو اپنا مال سپرد کر دیتیں کہ فلاں جگہ جا کر فروخت کر آؤ۔ اس قدر تم کو بھی دیا جائے گا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اگرچہ اس وقت تک ظہور نہ ہوا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت اور امانت کا تمام مکہ والوں میں بڑا اشہرہ تھا اور ہر

ایک کو آپ ﷺ کے برگزیدہ اور پاک اخلاق کا اعتبار تھا۔ آپ ﷺ امین کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ شہرت اور بزرگی خدیجہؓ پر پوشیدہ نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ اپنی تجارت کو آپ ﷺ کے سپرد کر کے آپ ﷺ کی دیانت داری سے نفع اٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کہلا بھیجا کہ اگر ہماری تجارت کا مال شام کو لے جائیں تو ہم اپنا ایک غلام آپ ﷺ کی خدمت کے لیے ہمراہ کر دیں اور دوسرے لوگوں کو نفع میں سے جو حصہ دیا جاتا ہے اس سے زیادہ آپ ﷺ کی خدمت کریں۔

آپ ﷺ کی ذات مبارکہ چونکہ بلند ہمت اور وسیع الخیال ہستی واقع ہوئی تھی، فوراً اس بعید سفر کے لیے تیار ہو گئے اور خدیجہؓ کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر ۱۲ ذی الحجہ کو شام کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں اس مال کی نہایت عقلمندی سے بہت زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیا اور شام سے دوسرا مال خرید کر واپس ہوئے۔ مکہ معظّمہ میں لا کر خدیجہؓ کو مال سپرد کر دیا۔ اس کو خدیجہؓ نے یہاں بیچا تو دو چند کے قریب نفع ہوا۔ شام کے راستہ میں جب آپ ﷺ ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے ایک راہب نسطور نامی نے آپ ﷺ کو دیکھا اور نبی آخر الزمان کی جو علامتیں پہلی کتابوں میں لکھی تھیں آپ ﷺ میں دیکھ کر پہچان گیا، راہب میسرہ کو جانتا تھا اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھ یہ کون شخص ہیں اس نے کہا کہ مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہیں۔ قریش کے ایک شریف (نوجوان) ہیں اس نے کہا کہ یہ نبی ہونگے۔ (از مغلطائی)

حضرت خدیجہؓ ایک عقل مند فہمیدہ عورت تھیں۔ آپ ﷺ کی شرافت اور محیر العقول اخلاق کو دیکھ کر ان کو ایک سچا اعتقاد اور خالص انس ہو گیا۔ جس سے خدیجہؓ نے خود ارادہ کیا کہ آپ ﷺ منظور فرما دیں تو آپ ﷺ ہی سے نکاح کر لیں۔

جب آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہؓ سے نکاح مقرر ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر اس وقت چالیس اور بعض روایات کی رو سے پینتالیس سال تھی۔ (مغلطائی)

نکاح میں ابوطالب اور بنو ہاشم اور رؤسائے عرب سب جمع ہوئے۔ ابوطالب نے خطبہ پڑھا، اس خطبہ میں ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کے متعلق جو الفاظ کہے ہیں وہ سننے کے قابل ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ''یہ محمد بن عبداللہ ہیں جو اگرچہ مال میں کم ہیں لیکن شریفانہ اخلاق اور کمالات کی وجہ سے جس شخص کو آپ ﷺ کے مقابلہ میں رکھا جائے آپ ﷺ اُس سے زیادہ عالی مرتبہ نکلیں گے کیونکہ مال ایک زائل ہو جانے والا سایہ اور لوٹنے والی چیز ہے اور یہ محمد ﷺ جن کی قرابت کو تم سب جانتے ہو خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اور ان کا کل مہر معجّل اور موجل میرے مال سے ہے اور خدا کی قسم اس

کے بعد اس کی بڑی عزت اور عظمت ہونے والی ہے''۔الغرض حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح ہو گیا وہ آپ ﷺ کی خدمت میں چوبیس سال رہیں کچھ مدت نزول سے پہلے اور کچھ مدت وحی کے بعد۔

حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کے دو فرزند اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ فرزند ارجمند قاسمؓ اور طاہرؓ تھے۔ قاسمؓ کے نام سے ہی آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہے اور طاہرؓ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عبداللہ تھا۔ چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ، زینبؓ، رقیہؓ اور ام کلثومؓ تھیں۔

حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی حیات میں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا، ہجرت سے تین سال پہلے جب ان کی وفات ہوگئی اور آپ ﷺ کی عمر مبارک ۴۹ برس میں پہنچی تو اور خواتین بھی آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینب بنت خزیمہؓ، حضرت زنیب بنت جحشؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت اُم حبیبہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت میمونہؓ یہ گیارہ ہیں جن میں دو سامنے وفات پا گئیں اور نو آپ ﷺ کی وفات کے وقت زندہ تھیں اور یہ باجماع امت صرف آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھیں۔ امت کے لیے چار سے زائد عورتیں ایک وقت میں بصورت نکاح جمع کرنا جائز نہیں۔

جب آپ ﷺ کی عمر شریف پینتیس سال ہوئی تو اس وقت قریش نے بیت اللہ کی از سر تعمیر کا ارادہ کیا۔ بیت اللہ کی تعمیر ہر شخص اپنی سعادت سمجھتا تھا اور قبائل قریش نے اپنی قسمتوں کا فیصلہ اس پر رکھا تھا کہ اس کی تعمیر میں زیادہ حصہ لیا جائے چنانچہ اس تعمیر کو قبائل میں تقسیم کرنے کی نوبت آئی تا کہ کوئی جھگڑا پیش نہ آئے۔اسی طرح تقسیم عمل کے ساتھ بنائے کعبہ حجر اسود کی حد تک پہنچ گئی لیکن اب حجر اسود کو اٹھا کر تعمیر میں نصب کرنے کے متعلق سخت اختلاف ہوا، ہر قبیلہ اور ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ اس سعادت کو حاصل کرے یہاں تک کہ قتل و قتال پر عہد و پیمان ہونے لگے، قوم کے بعض سنجیدہ لوگوں نے ارادہ کیا کہ مشورہ کر کے کوئی صلح کی صورت نکالیں اور اس غرض کے لیے مسجد میں گئے۔مشورہ میں یہ طے ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے مسجد کے اس دروازہ میں داخل ہو وہ تمہارے معاملے کا فیصلہ کرے اس کے حکم کو ہر شخص دست قدرت کا فیصلہ سمجھ کر تسلیم کرے۔

خدا کی قدرت کہ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ اس دروازہ سے داخل ہوئے، آپ ﷺ کو دیکھ کر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ امین ہیں ہم ان کے حکم پر راضی ہیں۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور وہ حکیمانہ فیصلہ کیا کہ سب خوش ہوگئے یعنی ایک چادر پھیلا دی اور اس میں حجر

اپنے آپ کو خوبصورت بنانے کے ساتھ خوب سیرت بھی بناؤ۔

اسود کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھ دیا اور پھر حکم دیا کہ ہر قبیلہ کا منتخب آدمی چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ لے اس طرح کیا گیا، جب بنیاد تک پہنچ گیا تو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھ دیا۔ابن ہشام اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ نبوت سے پہلے تمام قریش بالاتفاق آپ ﷺ کو امین کہتے تھے۔(سیرت ابن ہشام ص:۱۵۔ج ۱۱)

جب آپ ﷺ کی عمر شریف چالیس برس ایک دن کی ہوئی تو ظاہری طور پر بھی باضابطہ آپ کی خلعت نبوت کے ساتھ ممتاز و مشرف فرمایا جس کی تاریخ ولادت کی طرح ماہ ربیع الاول روز دوشنبہ ہے، اس کے علاوہ اور بھی مختلف اقوال ہیں۔ابتداء جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ اعلانا تبلیغ کے لیے مامور نہ تھے بلکہ اس میں صرف آپ ﷺ کی ذات کے لیے احکام تھے۔پھر کچھ دنوں سلسلہ وحی منقطع رہنے کے بعد جو آپ ﷺ پر دوبارہ وحی شروع ہوئی تو اس میں آپ ﷺ کو تبلیغ اسلام کے لیے حکم ہوا، مگر دنیا میں جہالت وضلالت کی حکومت تھی، بالخصوص عرب کا تکبر اور غرور اور تقلید آبائی انہیں حق پر کان لگانے کی ہرگز اجازت نہ دیتی تھی، اس لیے ابتداء میں حکمت الٰہیہ کا اقتضاء یہ ہوا کہ آپ کو اعلانا تبلیغ واشاعت اسلام کا امر نہ کیا جائے تاکہ اول ہی سے لوگ متنفر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء دعوت اسلام اپنی جان پہچان کے لوگوں میں اور ان شخصوں میں شروع کی جن پر آپ ﷺ کو اعتماد تھا یا آپ ﷺ فراست کے ذریعہ ان میں خیر و صلاح کے آثار دیکھتے تھے۔

اس طریق سے سب سے پہلے زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہ اور آپ ﷺ کے متبنی زید بن حارثہ مشرف باسلام ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کے دوست تھے۔ اور آپ ﷺ کے صدق و دیانت واخلاق سے خوب واقف تھے۔جب آپ ﷺ نے ان کو رسالت الٰہیہ کی خبر دی تو فوراً آپ نے تصدیق کی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی قوم کے مسلم بزرگ تھے، تمام معاملات میں لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد آپؓ نے بھی ان لوگوں کو دعوتِ اسلام دینی شروع کی جن میں کچھ صلاح وخیر کے آثار دیکھے چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر بن العوامؓ اور طلحہ بن عبیداللہؓ نے ان کی دعوت قبول کی اور آپؓ ان سب کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور سب کے سب مسلمان ہوگئے۔اس طریقہ کی دعوت اسلام تین سال تک جاری رہی۔اسی دور میں قریش کی ایک خاص جماعت اسلام میں داخل ہوگئی اور پھر اور لوگ بھی داخل ہونے شروع ہوگئے اور خبر مکہ میں پھوٹ نکلی اور لوگوں میں جابجا اس کا چرچا

نیک انسان کی خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو حتی الامکان رسوا نہیں کرتا۔

ہونے لگا اور اب اعلاناً دعوت حق کا وقت آپہنچا۔
تین سال کے بعد جب کہ کثرت سے مرد عورت اسلام میں داخل ہونے لگے اور لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو خداوند عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ علی الاعلان لوگوں کو کلمہ حق پہنچائیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور مکہ کی پہاڑی صفاء پر چڑھ کر اور قبائل قریش کا نام لے لے کر آواز دی، جب تمام قبائل جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً سب سے دریافت کیا کہ اگر میں آپ کو یہ خبر دوں کہ غنیم کا لشکر تم پر چڑھا چلا آرہا ہے اور قریب ہے کہ تم پر لوٹ ڈال دے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب یہ سن کر یک زبان ہو کر بولے کہ بیشک ہم آپ کی خبر کو بلکل حق سمجھیں گے کیونکہ ہم نے آج تک کبھی آپ کو جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تم نے اپنے باطل عقائد کو نہ چھوڑا تو خدا تعالیٰ کا سخت عذاب تم پر آنے والا ہے اور فرمایا: جہاں تک مجھے معلوم ہے دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لیے اس تحفہ سے بہتر تحفہ لے کر نہیں آیا جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ میں تمہارے لیے دین و دنیا کی فلاح و بہبود لے کر آیا ہوں اور خداوند عالم نے مجھے فرمایا ہے کہ تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ خدا کی قسم اگر میں تمام دنیا کے انسانوں سے جھوٹ بولتا تب بھی تمہارے سامنے جھوٹ نہ بولتا اور اگر ساری دنیا کو دھوکا دیتا تب بھی تمہیں دھوکہ نہ دیتا اس ذات قدوس کی قسم ہے جو ایک ہے اور جس کا کوئی سہیم و شریک نہیں کہ میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام عالم کی طرف عموماً خدا تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر ہوں۔
یہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا، عرب کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کی وحی میں ان کے بتوں کی حقیقت کھولی گئی ہے۔ ان کی پرستش کرنے والوں کی بیوقوفی ظاہر کی گئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدوات کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس آئی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قسم کی باتوں سے روک دیں یا آپ ان کی حمایت چھوڑ دیں، ابو طالب نے ایک عمدہ پیرائے میں جواب دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کلمہ حق کی نشر و اشاعت میں سرگرم اور بتوں کی عبادت سے لوگوں کو منع کرتے رہے۔
جب عرب کو اس پر صبر نہ ہو سکا تو پھر ابو طالب کے پاس آئے اور سختی سے ان سے مطالبہ کیا کہ آپ اپنے بھتیجے کو باز رکھیں ورنہ ہم سب تمہارے خلاف جنگ کریں گے یہاں تک کہ فریقین میں سے کوئی ایک فنا ہو جائے۔
جب قریش اپنی تدبیروں میں ناکام رہے اور دیکھا کہ روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت عام ہوتی جاتی ہے اور لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اب ہر قسم کی ایذا رسائی شروع کی مکہ کے چند اوباش لوگوں کو جمع کر کے اس پر آمادہ کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عزت و احترام راست بازی کے صلہ میں حاصل ہوتا ہے۔

کا ہر مجلس میں استہزاء اور جس صورت سے ممکن ہو آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں۔ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے جب سجدہ میں گئے تو ابوجہل نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ارادہ کیا کہ آپ ﷺ کا سر مبارک کچل ڈالے مگر جب پتھر لے کر آپ ﷺ کے قریب پہنچتا ہے تو ہاتھ کانپ جاتے ہیں پتھر ہاتھ سے گر جاتا ہے۔رنگ فق ہوجاتا ہے اور بھاگ کر اپنی جماعت کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ جب میں نے آپ ﷺ کے سر کی جانب ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو ایک عجیب وضع کا اونٹ منہ کھولے ہوئے میرے طرف جھپٹا اور قریب تھا کہ مجھے کھا جائے میں نے ایسا اونٹ آج تک نہیں دیکھا۔

ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، ابولہب، عاص بن وائل، اسود ب یغوث، اسود بن عبدالمطلب، ولید بن مغیرہ، بن حارث یہ لوگ ہر وقت آپ ﷺ کے درپے آزار رہتے تھے۔ان میں سے کسی کو اسلام کی توفیق نہیں ہوئی بلکہ سب کے سب نہایت ذلیل ہو کر ہلاک ہوئے۔کچھ غزوۂ بدر میں تلوار کے گھاٹ اتر گئے اور کچھ نہایت گندے اور سخت امراض میں گل سڑ کر مر گئے۔

آنحضرت ﷺ اپنی ذات پر ہر قسم کے مظالم اور تکالیف برداشت کرتے رہے مگر جب صحابہ کرام؄ اور دیگر اقارب تک اس کی نوبت پہنچی اور دیکھا کہ وہ نہایت صبر کے ساتھ تمام مظالم سہنے کے لیے تیار ہیں، مگر اس کلمہ حق اور نورِ الٰہی سے منہ موڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو ان کو آپ کے ذریعہ سے وصول ہوا تو ان حضرات کو اجازت دی کہ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے جائیں۔عطائے نبوت سے پانچویں سال رجب میں بارہ مرد اور عورت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جن میں حضرت عثمان؄ اور آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت رقیہ؄ بھی تھیں۔(دروس السیر تہ)

ان ظالموں نے اپنے شہر کے چند اوباش لوگوں کو سکھادیا کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں سنگدل بدنصیب اس سرور کائنات کے درپے ہو گئے کہ شان رحمۃ اللعالمین مانع نہ ہوتو ایک بنت لب میں ان کی ساری بدمستیوں کا خاتمہ ہوسکتا تھا طائف اور طائف کے بسنے والوں کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹایا جاسکتا تھا۔ان بدبخت لوگوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسانے شروع کئے جن سے سرور عالم ﷺ کے قدم شریف زخمی ہوجاتے تھے زید بن حارثہ جس طرف سے پتھر آتا دیکھتے اس طرف خود کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ کو بچاتے اور پتھر کو اپنے سر پر لیتے تھے یہاں تک کہ حضرت زید؄ کا سر زخمی ہوگیا بالآخر رحمت عالم ﷺ ایک ماہ بعد طائف سے اس طرح واپس ہوئے کہ آپ ﷺ کے ٹخنے شریف لہولہان تھے مگر زبان پر حرف بددعا اس وقت بھی نہ آتا تھا۔

دس سال تک آنحضرت ﷺ قبائل عرب کو اعلان کے ساتھ دعوت اسلام دیتے رہے اور

اچھائی کی توقع ہمیشہ اچھوں ہی سے کی جاتی ہے۔

عرب کا کوئی مجمع نہیں چھوڑا جس میں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تبلیغ حق نہ کی ہو موسم حج میں بازار عکاظ اور ذی المجاز وغیرہ میں گھر گھر جا کر لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے مگر وہ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کی ایذائیں پہنچاتے اور مذاق اڑاتے تھے کہ پہلے اپنی قوم کو مسلمان بنائیے پھر ہماری ہدایت کے لیے آئیے اسی پر ایک مدت گزر گئی جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اسلام کی اشاعت اور ترقی ہو تو قبیلہ اوس کے چند آدمی مدینہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیئے جن میں سے اس سال وہ شخص اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبدقیس مشرف با اسلام ہوئے اور پھر آئندہ سال ان میں سے کچھ اور آئے جن میں سے چھ یا آٹھ آدمی مسلمان ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم پیغام خداوندی کی تبلیغ میں میری مدد کرو گے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ابھی ہمارے آپس کی اوس اور خزرج کی خانہ جنگیاں ہو رہی ہیں اگر اس وقت جناب مدینہ تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت پر سب کا اجتماع نہ ہو سکے گا ابھی تک سال اس کا ارادہ ملتوی فرما دیں ممکن ہے کہ ہماری آپس میں صلح ہو جائے اور پھر اوس خزرج مل کر اسلام قبول کر لیں آئندہ سال ہم پھر حاضر خدمت ہوں گے اس وقت اس کا فیصلہ ہو سکے گا یہ حضرات واپس مدینہ آئے اور مدینہ میں سب سے پہلے مسجد نبی رزیق میں قرآن پڑھا گیا۔ خداوند عالم کو منظور تھا کہ مدینہ میں اسلام کی اشاعت ہو اس سال بھر کے عرصے میں اوس خزرج کے اکثر جھگڑے مٹ گئے اور آئندہ حج کے موقعہ پر حسب وعدہ دوبارہ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں دس قبیلہ خزرج کے اور دو اوس کے تھے ان میں جو لوگ گزشتہ سال مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اب مسلمان ہو گئے اور سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوئے یہ بیعت چونکہ سب سے پہلے عقبہ کے پاس ہوئی تھی اسی لیے اس کا نام بیعت عقبہ اولیٰ رکھا گیا۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ واپس آئے تو مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا تھا۔

(سیرت حلبیہ ص ۲۲ ج ۱)

قریش کو جب اس بیعت کی خبر ہوئی تو ان کے غیظ کی انتہا نہ رہی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا مشورہ دیا صحابہ نے آہستہ آہستہ قریش سے خفیہ ایک ایک دو دو کر کر مکہ معظّمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دی یہاں تک کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت علی ؓ اور تھوڑے سے غیر مستطیع لوگوں کے علاوہ کوئی مسلمان باقی نہ رہا صدیق اکبر ؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا تھا مگر آپ نے ان کو فرمایا کہ ابھی یہاں ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دیدے صدیق اکبر ؓ اس کے

اللہ تعالیٰ کا پیارا وہ ہے جو کسی کو تکلیف نہ دے۔

انتظار میں رہے اور دو اُنٹنیاں اس سفر کے لیے مہیا کیں ایک اپنے لیے اور دوسری آنحضرت ﷺ کے لیے۔(سیرت مغلطائی ص ۳۱)

جس وقت آپ ﷺ فتح مکہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے ارادہ جہاد کو بھی اس نے عام جاہلیت عرب کی لڑائیوں پر قیاس کر کے عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ خوبصورت عورتیں اور سرخ اونٹ چاہتے ہیں تو قبیلہ بنی مدلج پر چڑھائی کیجئے (کیونکہ ان میں اس کی کثرت ہے) لیکن یہاں صلح اور جنگ کا مقصد ہی کچھ اور تھا، ارشاد ہوا کہ مجھے حق تعالیٰ نے بنی مدلج پر چڑھائی کرنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ (احیاء العلوم)۔ اور حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سات جنگی قیدی پیش کیے گئے آپ ﷺ نے ان کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور حضرت علیؓ کو اس پر مامور فرمایا۔ اسی وقت جبرئیلؑ تشریف لائے اور کہا یارسول اللہ! ان چھ شخصوں کے لیے تو یہی حکم رکھیے لیکن اس ایک شخص کو آزاد کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ کریم الاخلاق اور سخی آدمی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آپ اپنی طرف سے کہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟ جبرئیلؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اس کا حکم فرمایا ہے۔ (کنزالعمال ص ۱۳۵)

اسلامی جہاد تہذیب کے مدعی یورپین اقوام کی عالم سوز جنگ نہ تھی جس میں محض اپنی ہوس رانی کے لیے بلا امتیاز مرد وعوت اور محرم وغیر محرم شہر کے شہر انتہائی بے رحمی کے ساتھ تباہ وبرباد کر دیئے جاتے ہیں۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ شجاع و بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے جب کبھی آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تھا فوراً عطا فرما دیتے تھے سب سے زیادہ حلیم و بربار تھے یہاں تک کہ صحابہ نے کفار کی ایک قوم کے متعلق آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ان کے متعلق بددعا فرمائیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں رحمت ہو کر آیا ہوں عذاب بن کر نہیں آیا آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید کیا گیا مگر اس وقت بھی ان کے لیے دعا مغفرت ہی فرماتے تھے آپ سب سے زیادہ حیادار تھے۔ آپ ﷺ کی نگاہ کسی چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے انتقام نہ لیتے تھے اور نہ غصہ ہوتے تھے ہاں جب حدود خداوندی پر دست اندازی کی جاتی تو غصہ آتا تھا اور جب غصہ آتا تو پھر آپ ﷺ کے سامنے کوئی ٹھہر نہ سکتا جب آپ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو ہمیشہ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے (تاکہ امت کے لیے سہولت ہو) آپ ﷺ نے کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا البتہ اگر مرغوب ہوتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے آپ ﷺ تکیہ لگا کر

نہ کھاتے اور نہ میز پر بیٹھ کر کھاتے تھے نہ سینی پر اور نہ کبھی آپ کے لیے پتلی چپاتی پکائی گئی ککڑی خربوزہ کو کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے شہد اور تمام شریں کو طبعاً پسند فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ آنحضرت دنیا سے تشریف لے گئے اور کبھی آپ ﷺ نے اور آپ کے اہل بیت نے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی آپ ﷺ کے گھر والوں پر دو دو مہینے صاف اس طرح گزر جاتے تھے کہ چولھے میں آگ جلانے کی بھی نوبت نہ آتی تھی بلکہ صرف چھواروں اور پانی پر گزر ہوتی تھی۔ آپ ﷺ اپنا جوتا خود سی لیتے اور کپڑے میں پیوند خود لگاتے تھے اہل بیت کے کاروبار میں رہتے تھے مریضوں کی عیادت کرتے تھے جب کوئی آدمی آپ ﷺ کو دعوت دیتا خواہ امیر ہوتا یا مفلس اس کے یہاں تشریف لے جاتے تھے کسی مفلس کو اس کے فقیر کی وجہ سے حقیر نہ جانتے تھے اور کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے اس کے ملک کی وجہ سے مرعوب نہ ہوتے تھے اپنے پیچھے اپنے غلام وغیرہ کو سوار کر لیتے تھے۔ موٹے کپڑے پہنتے تھے اور گھٹے ہوئے جوتے پہن لیتے تھے سفید کپڑے آپ کو سب سے زیادہ پسند تھے کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور بیکار باتوں سے اجتناب فرماتے تھے نماز کو طویل اور خطبہ مختصر پڑھتے تھے غلاموں اور مفلسوں کے ساتھ چلنے پھرنے سے پرہیز نہ فرماتے تھے کبھی ہنسی اور خوش طبعی کی باتیں فرماتے تھے لیکن اس وقت بھی واقعہ کے خلاف نہ بولتے تھے تمام انسانوں سے زیادہ خندہ پیشانی وخوش خلق تھے عذر خواہ کا عذر قبول فرما لیتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن مجید تھا جس چیز کو قرآن پسند کرتا اس کو آپ ﷺ بھی پسند فرماتے تھے جس کو قرآن پسند نہ کرتا تھا اس کو آپ ﷺ بھی ناپسند فرماتے تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی خوشبو سے بہتر کوئی خوشبو نہیں سونگی۔

ہمارے رسول ﷺ کے معجزات تعداد اور کیفیت کے لحاظ سے بھی تمام انبیائےؑ سابقین سے افضل ہیں اور زائد ہیں۔ پہلے انبیاءؑ کے معجزات ان کی مقدس ہستیوں تک محدود تھے اور آنحضرت ﷺ کا معجزہ قرآن آج بھی ہر مسلم کے ہاتھ میں ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری قومیں اور جن وانس عاجز ہیں اس کے علاوہ چاند کے دو ٹکڑے کر دینا انگلیوں سے پانی جاری ہونا کنکریوں کا تسبیح پڑھنا لکڑی کے ستون کا رونا درختوں کا آپ ﷺ کو اسلام کرنا درختوں کو بلانا اور ان کا آجانا ہزاروں پیشین گوئیوں کا آفتاب کی طرح صادق ہونا وغیرہ وغیرہ ہزاروں معجزات ہیں جو نہ صرف آیات اور صحیح احادیث میں وارد ہیں بلکہ کفار کی شہادت سے بھی ثابت ہیں جن کو علماء متقدمین و متاخرین نے مستقل تصنیفوں میں ثابت کیا ہے۔

انسانی بہتری کے لیے کام کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔



نَحْمَدُہ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ (پارہ ۳، آل عمران ۱۲ ع)

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا، کتاب اور حکمت پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتا دے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا۔ بولے ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (سورہ آل عمران)

میرے بھائیو! دوستو! بزرگو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بچپن، جوانی، بڑھاپا، سیرت نگاروں، مقرروں، دانشوروں، ادیبوں کا اصول ہے۔ کہ جب کسی شخصیت کی سوانح عمری لکھی جائے، تو اس کا آغاز بچپن سے کیا جاتا ہے اور بڑھاپے پر ختم کیا جاتا ہے۔ لیکن میں نے جب سرکارِ دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا تو وہ اس عام اصول اور ضابطے سے بالکل ہی مختلف اور الگ تھلگ نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا بیان بچپن سے شروع ہو کر بڑھاپے تک ختم نہیں ہوتا، بلکہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا آغاز بھی عجیب اور اختتام بھی عجیب۔ سیرت مصطفی ﷺ کا آغاز عالم ارواح سے ہوتا ہے اور سیرت مصطفی ﷺ کا اختتام عالم حشر ونشر پر ہوتا ہے۔ سبحان اللہ!

حضرت آدمؑ کی سیرت کا آغاز آپؑ کی پیدائش کے بعد ہوا، حضرت نوحؑ کی سیرت کا آغاز آپؑ کی پیدائش کے بعد ہوا، حضرت یعقوبؑ کی سیرت کا آغاز آپؑ کی پیدائش کے بعد ہوا، حضرت یوسفؑ کی سیرت کا آغاز، آپؑ کی پیدائش کے بعد ہوا، حضرت یونسؑ کی سیرت کا آغاز آپؑ کی پیدائش کے بعد ہوا، حضرت ابراہیمؑ کی سیرت کا آغاز، آپؑ کی پیدائش کے بعد ہوا، حضرت اسماعیلؑ کی سیرت کا آغاز، آپؑ کی پیدائش کے بعد ہوا، حضرت موسیٰؑ کی سیرت کا آغاز آپؑ کی پیدائش کے بعد ہوا، حضرت

انسانی بہتری کے لیے کام کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

عیسیٰؑ کی سیرت کا آغاز آپ کی پیدائش کے بعد ہوا مگر میں قربان جاؤں آمنہ تیرے یتیم لال کے تیرے یتیم کی سیرت وعظمت کا آغاز پیدائش سے پہلے ہو گیا۔سبحان اللہ!

وہ ابھی عالم ارواح ہی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاؑ کو جمع فرما کے، عظمت مصطفی ﷺ، شان مصطفی ﷺ، رفعت مصطفی ﷺ، ایمان مصطفی ﷺ تصدیق مصطفی ﷺ کا عہد آفرین نامہ لیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کی نبوت اور ختم نبوت کا دستاویزی ثبوت اور طرہ امتیاز بن گیا اس طرح سیرت پاک اور حیات طیبہ کا ایک ایسا روشن پہلو سامنے آ گیا جو آپ کو تمام شخصیات سے نمایاں اور ممتاز کرتا ہے۔

تمام انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تمام جمع ہو جائیں میں ایک معاہدہ کرنا چاہتا ہوں ایک عہد لینا چاہتا ہوں۔ایک اقرار نامہ لینا چاہتا ہوں؟ علما نہ آئیں، فقہا نہ آئیں، اولیاء نہ آئیں، مفسرین نہ آئیں، محدثین نہ آئیں، عربی نہ آئیں، عجمی نہ آئیں، کالے نہ آئیں، گورے نہ آئیں، شرقی نہ آئیں، غربی نہ آئیں، شمالی نہ آئیں، جنوبی نہ آئیں۔تو پھر کون آئیں مولیٰ؟ آواز آتی ہے اس کانفرنس میں صرف وہی آئیں جن کے پاس نبوت کا ٹکٹ ہو!

ختم نبوت کے دیوانو! دیکھنا ذرا۔گہری نظر سے دیکھنا کوئی مسیلمہ تو داخل نہیں ہو رہا۔کوئی اسود عنسی کوئی غلام احمد تو نہیں داخل ہو رہا ہے۔اگر نہیں داخل ہو رہا اور یقینا نہیں داخل ہو رہا تو فیصلہ تو یوم میثاق نبیین میں ہی ہو گیا کہ ؎

کہ جو سچا تھا وہ باہر نہیں رہا
اور جو جھوٹا تھا وہ اندر نہیں گیا

جب ہاؤس فل ہو گیا! اور تمام انبیاؑ تشریف لے آئے تو کارروائی شروع ہو گئی . . . کس چیز کی کاروائی؟ سیرت مصطفی ﷺ کی کاروائی، عظمت مصطفی ﷺ کی کارروائی، رفعت مصطفی ﷺ کی کاروائی میثاق انبیاء کی کارروائی۔اور سچ پوچھو تو ختم نبوت ورسالت کی کارروائی۔آپ کا اجلاس صدارت سے شروع ہوتا ہے، آپ کا اجلاس تلاوت سے شروع ہوتا ہے، مقرر اور ہوتا ہے اور اسٹیج سیکرٹری اور ہوتا ہے۔مگر آج کا اجلاس شان والا، اجلاس کا آغاز کرنے والا شان والا، سامعین شان والے اور مقرر شان والا۔سبحان اللہ!

حلف لینے کا آغاز خود خالق کائنات فرماتے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ اور جب عہد لیا اللہ تعالیٰ نے (خود) نبیوں سے معلوم ہوا عہد لینے والا خدا... عہد کرنے والے انبیاء لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ جب دوں گا تمہیں کتاب اور حکمت۔عہدے نامے کی عبارت شروع ہوتی ہے کہ میں تمہیں اس شرط پر کتاب اور حکمت عطا کروں گا کہ پھر تمہارے پاس رسول آئے گا . . . جو مصدق ہوگا۔کن باتوں کا مصدق ہوگا یا کن چیزوں کا

پوشیدہ گناہوں کا کفارہ پوشیدہ نیکیاں ہیں۔

مصدق ہوگا۔لِمَامَعَکُمْ ...جو کچھ تمہارے پاس ہوگا۔ کتاب ہوگی تو اس کا مصدق ہوگا، نبوت ہوگی تو اس کا مصدق ہوگا، رسالت ہوگی تو اس کا مصدق ہوگا، صحیفہ ہوگا تو اس کا مصدق ہوگا، وحی ہوگی تو اس کا مصدق ہوگا۔ وہ جس کی تصدیق کرے گا وہی صاحب کتاب ہوگا، وہی صاحب نبوت ہوگا، وہی صاحب رسالت ہوگا۔

اس لیے خیال کرنا ہوگا مدعی کو جتنا دعوٰی کرنا آسان ہوگا اتنی ہی تصدیق کرانا مشکل ہوگی۔ اس لیے کہ مدعی کا پہلے ہونا ضروری ہوگا اور مصدق کا آخر میں آنا ضروری ہوگا۔ دعوٰی کرنے والے کو ترتیب یاد رکھنی چاہیے۔ کہیں ترتیب کا آگے پیچھے ہونے سے نبوت کی فہرست سے نام ہی نہ کٹ جائے۔ اس لیے سوچنا چاہیے جھوٹی نبوت کے دعویداروں کو مسیلمہ کو، اسود عنسی کو، غلام احمد کو کہ تم دعویٰ تو کر بیٹھے مگر ترتیب بھول گئے۔ اب کا دعوٰی تو تمہارے کاغذات پر موجود ہے۔تصدیق نہیں ہے؟

کیوں ...بولتے کیوں نہیں، تصدیق کرنے والا تو جا چکا ہے اور نبوت کا دفتر بند ہو چکا ہے! اب تم بتاؤ تصدیق کہاں سے کراؤ گے؟ سوچ کر بتاؤ؟ میرے آقا مصدق الانبیاء ... محمد ﷺ نہیں فرمائیں گے! اور جو مدعی نبوت کے بعد ہوگا وہ دجال تو ہوسکتا ہے نبی نہیں ہوسکتا مسلمان کٹ سکتا ہے، مگر جھوٹے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ غیر مصدقہ نبوت ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تمہیں کتاب اور حکمت مل چکی ہوگی اور تم اپنی اپنی نبوت کا اعلان کر چکے ہوگے تو پھر ثُمَّ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ پھر تمہارے پاس میرے رسول ﷺ تشریف لائیں گے۔ مولیٰ وہ کون ہوں گے؟ فرمایا محمد ﷺ وہ سب کے بعد آئیں گے اور سب کے مصدق بن کر آئیں گے۔ سبحان اللہ!

اے انبیاء کرام پھر تم سب کی ڈیوٹی معلوم ہے کیا ہوگی؟ فرمایئے مولیٰ کریم! پھر تمام انبیاءؑ کی دو ڈیوٹیاں ہوں گی! کون کون سی دو؟ فرمایا: لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ ۱: تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا۔ ۲: تمہیں اس کی نصرت کرنا ہوگی۔

مولیٰ یہ فرمائیں کہ جب تمام انبیاءؑ سرکارِ دو عالم ﷺ سے پہلے آ چکے ہوں گے تو یہ ایمان کیسے لائیں گے اور نصرت کیسے کریں گے! فرمایا کہ وہ وعدہ کرنا ان کا کام پورا کرنا میرا کام۔ پہلے وعدہ تو کرالوں۔ فرمایا مولیٰ کریم نے اے انبیاءؑ کیا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں اور اس وعدے اور عہدے کو نبھانے کا عزم بالجزم کرتے ہیں؟ سب نے بیک زبان ہو کر عرض کیا کہ اَقْرَرْنَا... ہم نے اقرار کیا۔

یہ وعدہ ضرور نبھائیں گے اور تیرے محبوب محمد ﷺ پر ایمان بھی لائیں گے اور تعاون و نصرت بھی کریں گے! اس اقرار کے بعد جب یہ قرارداد متفقہ طور پر پاس ہوگئی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ

اچھے لوگ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

الشَّاهِدِيْنَ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں میں ہوں گا! یعنی جب میرا حبیب یہ دعویٰ کرے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو اس دعویٰ کا پہلا گواہ "اللہ" دوسرے گواہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ ثابت ہوا کہ محمد رسول اللہ ... اللہ محمد کی رسالت کو گواہ انبیاءؑ محمد ﷺ کی رسالت کے گواہ دعویٰ بہت مضبوط گواہ بہت مضبوط۔ جرح کرنے والے سوچ لیں گواہ توڑنے محال ہیں ۔ اللہ پر جرح کرو گے فرعون بنو گے۔ اللہ پر جرح کرو گے نمبرود بنو گے اللہ پر جرح کرو گے شداد بنو گے اللہ پر جرح کرو گے شیطان بنو گے اور اگر انبیاءؑ پر جرح کرو گے قوم نوح کی طرح برباد کر دیئے جاؤ گے، قوم ثمود کی طرح الٹ دیئے جاؤ گے، قوم نمرود کی طرح نیست و نابود کر دیئے جاؤ گے، قوم موسیٰ کی طرح ذلت رسوائی تمہارا مقدر بن جائے گی اور قریش کی طرح فی النار والسقر کر دیئے جاؤ گے۔ اور بتاؤں؟ ابولہب بن کے آؤ گے تو دونوں ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے، ابوجہل بن کر آؤ گے تو بدر کا کناں تمہاری رسوائی کا نشان بن جائے گا، سراقہ بن کر آؤ گے تو زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے، عتبہ اور شیبہ بن کے آؤ گے تو قتیل بدر بن جاؤ گے، غلام احمد بن کے آؤ گے تو ہیضہ کی موت سے بیت الخلا میں ذلت و رسوائی کی موت مرو گے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر ے تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

میر مولیٰ آپ مصطفیٰ کی رسالت کے گواہ کیوں بن گئے؟ فرمایا کہ پہلے نبی اپنے علاقوں کے نبی تھے میرا محبوب تمام کائنات کا نبی ہے۔ اس لیے اس کی رسالت عام ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ کَافَّةً لِّلنَّاسِ تو ضروری ہے کہ گواہی بھی عام ہو۔ اس لیے محمد ﷺ کی رسالت کا میں گواہ بن گیا۔ جس جگہ محمد ﷺ کی رسالت ہوگی وہیں وہیں میری گواہی بھی ہوگی۔ مثلاً: کسی خطہ میں کوئی رسالت کا دعویٰ کرتا ہے میں وہیں پر گواہی دوں گا کہ میرا محبوب رسول ﷺ ہے اب ان کے بعد کسی نبوت کی ضرورت نہیں، میں گواہی دیتا جاؤں گا۔ جھوٹا دعویٰ کرنے والا بھاگتا جائے گا۔ جب میں یوں کہہ دوں گا مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍمِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ اور نبوت کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ میری گواہی جھوٹے مدعیان نبوت پر بھاری ہوگی! اسی طرح انبیا گواہی دیں گے! اس لیے جرح کے وکیلوں کو سوچنا چاہیے اور بغیر کسی کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کے دامن رسالت کے ساتھ وابستہ ہو جانا چاہیے۔

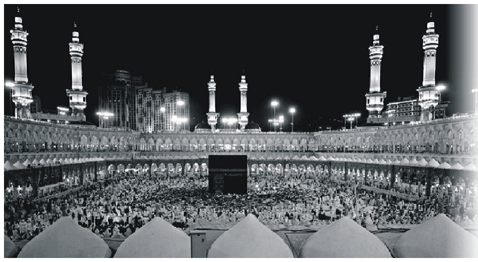
مولائے کریم ہم نے سمجھ لیا کہ دعویٰ بھی مضبوط اور گواہ بھی مضبوط اب ہمیں یہ بھی بتایا جائے کہ یوم میثاق انبیاءؑ سے وعدہ تو کرالیا کہ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ایفائے عہد کیسے ہوگا۔ ثُمّ کہتا ہے کہ

حضور ﷺ سب کے بعد آئیں گے تو پھر ایمان لانے کی کیا صورت ہوگی اور تعاون ونصرت کی کیا شکل ہوگی! ارشاد ہوتا ہے کہ: پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا تھا ہماری برکت نے تا کہ دکھلائیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے اے جبرائیل۔

آج اعلان کر دو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) میں جمع ہو جائیں تا کہ ان سے عہد میثاق پورا کر دیا جائے! آج میرے محبوب محمد ﷺ معراج کے لیے تشریف لانے والے ہیں۔ ان کی پہلی منزل مسجد اقصیٰ ہوگی اور یہیں پر عہد میثاق کی عملی شکل منصۂ شہود پر آ جائے گی! چنانچہ تمام انبیاءؑ کا اجتماع مسجد اقصیٰ میں ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کی سواری آ گئی! جبریل نوری سواری کو باندھ دیتے ہیں۔ انبیاءؑ سرکارِ دوعالم ﷺ کا استقبال کرتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت آدمؑ سرکارِ دوعالم ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ایک ایک کر کے انبیاءؑ سے تعارف ہوتا ہے اور سب نبی ﷺ کی ذات گرامی پر فخر کرتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں اس کے بعد مرحلہ وار تمام امور سرانجام پاتے ہیں۔ آخر میں اذان ہوتی ہے، اللہ اکبر، اللہ اکبر! اشہدان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ! جبریلؑ توقف کرتے ہیں کہ آگے میں کس کا نام لوں؟ یہاں تو آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاءؑ موجود ہیں۔ عرش سے آواز آتی ہے۔ جبریلؑ کیا سوچتے ہو! جس محمد کا کلمہ پڑھنے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کو جمع کیا ہے انہی کا کلمہ آپ پڑھ دیں۔ چنانچہ اذان کی صدا بلند ہوتی ہے کہ اشہد ان محمد رسول اللہ جواب میں تمام انبیاءؑ بھی فرماتے ہیں کہ اشہد ان محمد رسول اللہ انبیاءؑ نے جونہی اس کلمہ کو اپنی زبان سے دہرایا مولائے کریم کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے محبوب پیغمبرو! اور لاڈلے نبیو! میں نے جو تمہارے ساتھ عہد کیا تھا آج اس کی تصدیق و توثیق ہو گئی۔ تم نے اشہد ان محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ میرے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ نہ صرف دوسرے لوگوں کے نبی ہیں۔ بلکہ میرے محبوب تو تمام انبیاءؑ کے بھی نبی ہیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ تم اپنے اپنے دائرے میں تمام مخلوق کے نبی ہو۔ میرا محبوب تمہارا بھی نبی ہے۔ اس لیے اس کو اس پیارے لقب سے یاد کیا جائے گا کہ نبی الانبیاء یعنی ''سب نبیوں کا نبی''۔

انبیاءؑ کیساتھ یوم میثاق میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ معراج کی رات وہ وعدہ پورا کر دیا گیا اور معراج کی رات تمام انبیاءؑ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات گرامی پر اعتماد و یقین کا ووٹ دے کہ اس وعدے اور اقرار نامے کامیاب ہو گئے۔ اور حضور ﷺ تمام انبیاءؑ کے نبی الانبیاء قرار پا گئے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ نبیوں کے نبی.... سبحان اللہ!

دین دار شخص پر سکون رہتا ہے۔



عبادات نبوی ﷺ

علامہ سید سلیمان ندوی

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ، وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ

''اے محمد! جب تجھے فرصت ملے عبادت کے لیے کھڑے ہوجاؤ اور اپنے رب سے دل لگاؤ۔''

دنیا میں آنحضرت ﷺ کے سوا اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس کے متعلق صحیح طور پر معلوم ہو سکے کہ اس کا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اس کے کون کون سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور اس کی عبادتوں کی نوعیت کیا تھی؟ گزشتہ انبیاء میں حضرت نوحؑ بلکہ آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جن کے حالات تورات میں مذکور ہیں ان کی زندگی کا یہ باب صحائف بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہیں کہیں صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعائیں مانگا کرتے تھے لیکن جب کہ ان مذاہب کے پیرووں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی، جن پر دین وشریعت کا دارومدار ہے، وہ محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ پیروان اسلام کو یہ فخر ہے کہ انہوں نے اول سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقات عبادات، اس کے طریقے، اس کے انواع، اس کی کیفیات غرض اس کے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے۔

دعا اور نماز: آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے بھی عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور غارِ حرا میں جا کر مہینوں قیام اور مراقبہ کرتے تھے۔

(صحیح بخاری شریف)

نبوت کے ساتھ آپ ﷺ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا اس لیے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کا وقت جب آتا، کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے، ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے ابوطالب آ نکلے، انہوں نے دیکھا تو پوچھا ''بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟'' آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔

(مسند ابن حنبل)

چاشت کی نماز آپ ﷺ سب کے سامنے حرم میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔ (ابن اثیر)

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور روسائے قریش بیٹھے تمسخر اُڑا رہے تھے ابوجہل نے کہا ''کاش

حسن بغیر نیکی کے ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی او جھ نجاست سمیت اٹھالاتا اور محمد جب سجدہ میں جاتے تو وہا ن کی گردن پر ڈال دیتا''۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا۔

نماز میں جب آپ ﷺ جہر سے قرات فرماتے تو کفار برا بھلا کہتے۔(صحیح بخاری)

ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے، بعض اشقیاء نے چاہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں،(ابن ہشام ذکر قبل ہجرت)

ایک دفعہ ایک شقی القلب نے گلے میں پھانسی ڈال دی لیکن بایں ہمہ مزاحمت، لذت شناس یاد الٰہی اپنے فرض سے باز نہیں آتا تھا۔(صحیح بخاری)

راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ ﷺ نمازیں پڑھا کرتے تھے، اس عبادت شبانہ کے متعلق مختلف صحابہ سے مختلف روایتیں ہیں۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ رات بھر نماز میں کھڑے رہتے، ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کچھ دیر ہوتے پھر کچھ دیر اٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے پھر سو جاتے پھر اٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدھی رات کے بعد آپ ﷺ اٹھتے تھے اور ۱۳ رکعتیں ادا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کی روایت ۹ رکعت کی ہے، محدثین نے ان سب میں تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے، ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

عام طور پر آخر میں آپ ﷺ کا طرز عمل وہی تھا جو حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی زبانی عبادت شبانہ کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فرائض پنج گانہ کے علاوہ آپ ﷺ کم از کم سنن و نوافل کی ۳۹ رکعتیں روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے۔ دو صبح، چار چاشت، چھ ظہر، چھ عصر، چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہؓ) دو مغرب، چھ عشا تیرہ تہجد و وتر، ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوابین، سنت تحیۃ مسجد وغیرہ الگ تھیں، تمام سنن میں سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتوں کے آپ ﷺ سختی سے پابند تھے۔(صحیح بخاری ابواب نوافل وسنن)

کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اس کی قضا پڑھتے، حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام امت کے لیے نہیں، ایسا واقعہ حضر میں صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا، ظہر وعصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس میں باریاب ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے، نماز عصر کے بعد آپ ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کے حجروں میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی، چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی اس لیے ازواج مطہرات نے استفسار کیا، آپ ﷺ نے واقعہ بیان فرمایا، عام امت کے لیے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن

اچھا وہ ہے جو اچھے کام کرتا ہے۔

چونکہ آپ جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اس کو ترک کرنا پسند نہیں فرماتے تھے اس لیے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا۔ (مسند احمد وابوداؤد وصحیح مسلم)

رمضان کا مہینہ آپ ﷺ کی عبادتوں کے لیے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ "آپ ﷺ فیاض تو تھے ہی لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبریل قرآن سنانے آتے تو آپ ﷺ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی، آپ ﷺ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم)

رمضان کے آخری عشرہ میں آپ ﷺ اور زیادہ عبادت گزار ہو جاتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا ہے تو آپ ﷺ رات رات بھر بیدار رہتے تھے، ازواج سے بے تعلق ہو جاتے تھے، اہل بیت کو نماز کے لیے جگاتے تھے۔ (ابوداؤد باب الصوم)

اس اخیر عشرہ میں آپ ﷺ عموماً اعتکا میں بیٹھا کرتے تھے یعنی ہمہ وقت مسجد میں بیٹھ کر یاد الٰہی اور عبادت گزاری میں مصروف رہتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نماز عشاء کے بعد تھا۔ (ابوداؤد) روزانہ سورتوں کی تعداد مقرر تھی اسی تعداد کے موافق آپ ﷺ تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ رمضان میں پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے، پچھلی رات کو اٹھ کر کوئی موثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے آپ ﷺ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دعا و مناجات الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ ﷺ کو بستر پر نہ پایا، سمجھی کہ آپ ﷺ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اندھیرے میں ہاتھ سے ادھر ادھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی اقدس خاک پر ہے، اور آپ ﷺ سربسجود دعا میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو اپنے شبہ پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا، سبحان اللہ! ہم کس خیال میں ہیں، اور آپ کس عالم میں۔ (سنن نسائی)

کبھی کبھی راتوں کو اٹھ کر آپ تن تنہا قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے اور دعا و زاری کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ گئیں تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں داخل ہوئے اور دعا مانگی۔ (سنن نسائی)

دعا اور نماز کے بعد آپ ﷺ سو جاتے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعتاً سپیدہ صبح نمودار ہوتا، آپ بیدار ہوتے، صبح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اس وقت یہ الفاظ زبان مبارک پر ہوتے "اللّٰھم اجعل فی قلبی نوراً وفی لسانی نوراً

محبت ان سے رکھو جو نیکی کر کے فراموش کر دیتے ہیں۔

وَاجعل فی سمعی نوراً وَاجعل فی بصری نوراً وَاجعل فی خلفی نوراً وَمن امامی نوراً وَاجعل من فوقی نوراً وَتحتی نوراً وَاعطنی نوراً۔" (صحیح مسلم)

"خدایا میرے دل میں نور پیدا کر، اور میری زبان میں اور میری قوت سامعہ میں نور پیدا کر، آنکھوں میں نور پیدا کر اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر، میرے اوپر اور میرے نیچے نور پیدا کر، اور مجھے نور عطا کر"۔

ارکان نماز میں سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام میں ہوتا ہے لیکن حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع کے بعد اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ سجدہ میں جانا بھول گئے۔ (مسند ابن حنبل)

جو چیز نماز کی حضوری میں خلل ڈالتی تھی اس سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جس میں دونوں طرف حاشیے تھے، نماز میں اتفاق سے حاشیوں پر نظر پڑ گئی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ یہ لے جا کر فلاں شخص (ابوجہم) کو دے آؤ اور ان سے انبجانی مانگ لاؤ حاشیوں نے نماز کی حضوری میں خلل ڈالا۔

(صحیح بخاری شریف)

روزہ: انبیاء اور داعیان مذہب نے تکمیل روحانیت کے لیے تقلیل غذا بلکہ ترک غذا (روزہ) کو اسباب ضروری میں شمار کیا ہے، ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیان مذاہب تو اس راہ میں حد افراط سے بھی آگے نکل گئے ہیں لیکن داعی اسلام کا طرز عمل اس باب میں افراط اور تفریط کے بیچ میں تھا۔ اسلام سے پہلے اہل عرب عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ میں معمولاً اس دن روزہ رکھتے تھے، بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں آپ ﷺ متواتر کئی کئی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے لیکن مدینہ آ کر اس معمول میں فرق آ گیا، مدینہ میں یہود بھی عاشورا کا روزہ رکھتے تھے آپ ﷺ نے بھی رکھا بلکہ تمام مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کا روزہ نفل رہ گیا۔

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ میں آپ ﷺ نے کبھی نہیں رکھا، صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہے، اس میں قریب قریب پورے مہینہ بھر آپ ﷺ روزہ سے رہتے اس طرح سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزوں میں گزرتے تھے، سال کے بقیہ مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ کبھی روزہ نہ توڑیں گے، پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے، مہینہ کے نصف اول میں جن کو ایام بیض کہتے ہیں آپ ﷺ اکثر روزوں سے رہتے تھے، مہینہ میں تین دن دو دو شنبہ اور ایک جمعرات کو آپ

صرف نیک ہی نہ بنو بلکہ نیکی بھی کیا کرو۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معمولاً روزے رکھا کرتے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات میں سے تھا ان کے علاوہ محرم کے دس دن یکم سے عاشورہ تک اور شوال کے آغاز میں چھ دن دوسری سے ساتویں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزوں میں گزارتے تھے۔(صحیح مسلم)

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی گھر میں تشریف لا کر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملتا کچھ نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تو میں آج روزہ سے ہوں۔(ابوداؤد)

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صوم وصال بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے بیچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے یا برائے نام کچھ کھا لیتے تھے لیکن جب صحابہؓ نے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید کرنی چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکماً نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں، اس لیے اس ممانعت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انہوں نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا تیسرے دن اتفاق سے چاند ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر مہینہ بڑھ سکتا تو میں اتنے دن تک افطار نہ کرتا کہ ان مذہب میں غلو کرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہتا'' صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ! پھر حضور کیوں کئی کئی دن تک افطار نہیں کرتے؟ ارشاد ہوا تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں تم میں مجھ جیسا کون ہے میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔(صحیح مسلم)

زکوٰۃ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مبرات کیا کرتے تھے، جیسا کہ آغاز اسلام میں حضرت خدیجہؓ نے شہادت دی۔

اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس رہنے نہیں دیتے تھے جو کچھ آتا مستحقین میں تقسیم فرما دیتے لیکن بایں ہمہ زکوٰۃ کا ادا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیاءؑ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو مفہوم ہیں۔ایک مطلق صدقہ وخیرات اور اس باب میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار وتعداد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک مالک کے قبضہ میں رہی ہو ایک خاص شرح رقم ادا کی جائے۔ یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض ہی نہیں ہوئی۔کاشانہ نبوت میں کوئی قابل زکوٰۃ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گزر جائے اور مال ودولت کا کوئی

شرافت سے بڑی کوئی طاقت نہیں۔

نشان گھر کے اندر رہ جائے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آ گئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی، آپ نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا، اور کاشانہ اقدس میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک حضرت بلالؓ نے آ کر یہ اطلاع نہ دی کہ یارسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کیا۔ (ابوداؤد)

حج: اسلام سے پہلے آپ ﷺ نے جس قدر حج کیے ان کی صحیح تعداد متعین نہیں کی جاسکتی۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش معمولاً ہر سال حج کیا کرتے تھے اس لیے قرینہ غالب یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی ہر سال حج ادا کرتے ہوں گے۔ (باب کم حج النبی ﷺ) میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں آپ ﷺ نے دو حج کئے تھے اور ابن ماجہ اور حاکم میں ہے کہ تین حج کئے تھے لیکن یہ سب روایتیں مرسل ہیں۔ مدینہ کے زمانہ قیام میں متفقہ ثابت ہے کہ صرف ایک حج ۱۰ھ میں کیا۔ (صحیح مسلم)

حج کے علاوہ آپ ﷺ نے عمرے بھی ادا کئے ہیں، ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں۔ ایک عمرہ ذیقعدہ کے مہینہ میں، ایک حدیبیہ کے سال، ایک غزوہ حنین کے بعد، اور چوتھا حجۃ الوداع کیساتھ۔ (جامع ترمذی)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع والے عمرہ کے سوا تمام عمرے آپ ﷺ نے ذیقعدہ کے مہینہ میں ادا کئے۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ''چار عمرے'' ان میں سے ایک ماہ رجب میں، حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو کہا ''خدا ابوعبدالرحمن پر رحم فرمائے، آپ ﷺ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ شریک نہ ہوں، آنحضرت ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔'' (بخاری و مسلم)

محبت الٰہی: دنیا میں دو قسم کے پیغمبر آئے ہیں ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے مثلاً حضرت نوح وحضرت موسیٰؑ دوسرے وہ جو محبت الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خم خانہ عشق کی طرف بلاتے تھے۔ مثلاً حضرت یحییٰ وعیسیٰؑ لیکن یہ دونوں افراط وتفریط کے راستے تھے۔ پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک پہنچاتی، اور دوسری عبودیت اور آداب و احترام کی منزل س دور پھینک دیتی ہے جیسا کہ عیسائی تعلیم او رموجودہ انجیل کی سیرت مسیح میں ہر شخص کو نظر آ سکتا ہے لیکن اسلام دونوں جلوؤں کو یکساں نمایاں کرنا چاہتا ہے یہی سبب ہے کہ حامل شریعت اسلامیہ کی ذات مبارک میں یہ دونوں پہلو بہ یک دفعہ نظر آتے ہیں قرآن مجید نے کمال ایمان کا وصف

یہ بیان کیا ہے ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ'' جو ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے۔

صحیح روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے کہ پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کی ''یارسول اللہ! آپ کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے آپ یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہیں؟'' ارشاد ہوا کہ ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' ارباب باطن کہتے ہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کی یہ عبادت خشیۃ الٰہی سے ہے اور چونکہ آپ ﷺ گناہوں سے پاک کر دیئے گئے تھے اس لیے آپ کو ریاضات شاقہ کی ضرورت نہ تھی آپ ﷺ نے اپنے جواب میں اسی شبہ کو دفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقتضا محبت الٰہی ہے خشیۃ الٰہی نہیں، اسی لیے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے ''وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ'' میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

صبر وشکر: رنج وغم کے متعاقب اور توام دور کس کی زندگی میں نہیں آتے لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصول مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور ازخود رفتہ نہ تو دوسری طرف مصائب وآلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کرلے اور یہ یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے کامیابی و ناکامی دونوں کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔قرآن مجید ارشاد ہے کہ: ''جتنی مصیبتیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی تھیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوان قضا میں لکھ لی گئی ہیں، یہ بات خدا کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے کیا گیا تا کہ تم ناکامی پر غم اور حصول مقصد پر فخر نہ کرو، خدا مغرور اور فخار کو دوست نہیں رکھتا''۔(حدید ۳)

رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی میں وہ بڑی سے بڑی کامیابی حاصل ہوئیں جو اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں تاہم آپ ﷺ کے آئینہ دل میں کبھی فخر وغرور نے اپنا عکس نہیں ڈالا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں، لیکن مجھے اس پر فخر نہیں''

ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ میں جب آنحضرت ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا ''جب آنحضرت ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا تا کہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکالیں پھر یہاں تک آپ جھکے کہ آپ کی تھوڑی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔''(سیرت ابن ہشام ذکر فتح مکہ)

(())(())(())(())(())

نیکی کی ہوائیں تیز چل رہی ہوں تو شیطان اڑ جاتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم اخلاق

مولانا شبلی نعمانیؒ



{اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ}

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے، تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی و اعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا۔ تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی، دنیا کے تمام مصلحین اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیح کا درجہ سب سے بڑا ہے، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلحِ اعظم (بودھ) عملاً خود کیا تھا کوہ زیتون کے رحیمانہ اخلاق کا واعظ (مسیحؑ) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا لیکن اس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زریں مقولوں کی تائید میں تم کو معلوم ہے؟ لیکن مکہ کا معلم اُمی پکار کر کہتا تھا: "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ" جو نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو؟

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا، گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق و عمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا، وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا، بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون راز داں ہو سکتا ہے، چند صاحبوں نے آ کر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق بیان کیجئے، انہوں نے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ (ابوداؤد)

موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے؟ قرآن مجید لاکھوں مخالفین اور اہل عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی حق کی نسبت گویا تھا۔ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ" اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دے دیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تہہ میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرہ اخلاق کی وسعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان اخلاق پر اسی

جب اچھے لوگ کم ہوں تو ان کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔

حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیے۔

اس سے پہلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، ان صاحبوں کے بیانات زیر تحریر آتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سالہا سال اور مدت ہائے دراز بسر کی ہیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کون ہوسکتا ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں زمانہ آغاز وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں ''ہرگز نہیں! خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کریگا، آپ صلہ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔(صحیح بخاری)

امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں۔ فرماتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرمادیتے تھے۔ (ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بہت دور ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا۔(صحیح بخاری و مسلم)

آپ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی، آپ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ ناجاز ہو۔(صحیح مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ (ابن سعد)

باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت علیؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا، فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی برا کلمہ منہ

نیک انسان نیکی کے کام کرنے سے پہلے ہی اس میں لذت پاتا ہے۔

سے کبھی نہیں نکالتے تھے، عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ ﷺ کے ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپ ﷺ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے، (یعنی صراحتاً انکار و تردید نہیں کرتے تھے بلکہ خاموش رہتے تھے، اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزیں آپ ﷺ نے بالکل دور کردی تھیں، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا، دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا، جب آپ ﷺ کلام کرتے صحابہؓ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، جب آپ ﷺ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے، کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا چپ سنا کرتے، لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ ﷺ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بے بیباکی سے گفتگو کرتا تو آپ ﷺ تحمل فرماتے، دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپ ﷺ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ ﷺ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعتاً آپ ﷺ کو دیکھتا تو مرعوب ہوجاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا، آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا''۔ (شمائل ترمذی)

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت ﷺ کے آغوش پر وردہ تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو برا بھلا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امر حق کی مخالف کرتا تو آپ ﷺ کو غصہ آجاتا اور اسکی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ ﷺ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے، انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرتاً اس پر مجبور ہے، آفتاب صرف روشنی

ایسی نیکی کرو جس سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فیض پہنچے۔

بخشا ہے، اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہوسکتا، رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے، وہ روشنی کی علت نہیں، درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں، اور پھول ایام بہار ہی میں پھولتے ہیں، حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال واخلاق سے ایک سرمو تجاوز نہیں کرسکتا، لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے، وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی، اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اوراس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں، وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال و اخلاق پر مجبور نہیں اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔ لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی اس شدت سے پابندی کرے اوراس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پرعمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے، اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل، پھول سے خوشبو، کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہوسکتیں، اس کا نام استقامت حال اور مداومت عمل ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپ ﷺ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے، سنت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے، سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مداوفرمائی، اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا، اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ حقیقت آپ ﷺ کی استقامت حال اور مداومت عمل کی ناقابل انکار مثالیں ہیں آپ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپ ﷺ کے تمام اخلاق و اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمران میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کسی خاص دن یہ کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا ''آپ ﷺ کا عمل جھڑی ہوتا تھا''، یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی، اس طرح آپ ﷺ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ نے اختیار کر لی، ہمیشہ اس کی پابندی کی، پھر فرمایا ''آنحضرت ﷺ جو کر سکتے تھے وہ تم میں سے کون کرسکتا ہے'' (صحیح بخاری)

اس لیے آنحضرت ﷺ کا خود ارشاد ہے: خدا

ہر انسان کی قیمت اس کی خوبیاں ہیں۔

کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔(ایضاً)

حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ وغیرہ جو مدتوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے تھے، ان سب کا متفقاً بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ ہنستا تھا، وقار ومتانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹالے، مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ وہوتے۔(ابوداؤدوترمذی)

اکثر نوکر چاکر، لونڈی غلام خدمت اقدس میں اپنی لے کر آتے کہ آپ اس میں ہاتھ ڈال دیں تاکہ متبرک ہوجائے، جاڑوں کے دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی انکار نہ فرماتے۔(صحیح مسلم)

جودوسخا: جودوسخا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرت تھی ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زیادہ سخاوت فرماتے۔(بخاری)

تمام عمر کسی کے سوال پر ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا،

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کی سب دے دیں، اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کرلو، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہیں کرتے۔(صحیح بخاری)

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے، لوگوں کو تعجب ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہوجائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے جا کر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔(صحیح بخاری)

ایثار: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وعادات میں جو وصف سب سے نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت فاطمہ زہراؓ

اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں فرط محبت سے کھڑے ہوجاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے، تاہم حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں، چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئیں تھیں اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کرسکیں، جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہولے میں اور طرف توجہ نہیں کرسکتا۔(سنن ابوداؤد)

ایک صحابیؓ نے شادی کی، سامان ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جا کر لے آئے، حالانکہ کاشانہ نبوت میں اس ذخیرہ کے سوا تمام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔(مسند احمد)

مہمان نوازی: فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے۔ جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا، اور خود بنفس نفیس ان کی خدمت کی۔ (شفائے قاضی عیاض)

ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا وہ سارے کا سارا پی گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری بکری منگوائی، وہ بھی کافی نہ ہوئی غرض سات بکریوں تک نوبت آئی جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پلاتے گئے۔(مسلم)

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود رہتا وہ ان کی نذر ہوجاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے۔(مسند ابن حنبل)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

اصحاب صفہ میں حضرت ابوہریرہؓ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت دردانگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدت گرسنگی کی حالت میں گزرگاہ عام پر بیٹھ گیا حضرت ابوبکرؓ راستے سے گزرے تو میں نے بطورِ حسن طالب کے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گزر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ

جو شخص طاقت کے دنوں میں نیکی نہیں کرتا وہ بڑھاپے میں سختی اٹھاتا ہے۔

نظر آیا آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیتاً بھیجا ہے، آپ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ میں ان کو بلا لایا تو آپ ﷺ نے مجھے کو دودھ کا وہ پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کردو۔ (ترمذی شریف)

صدقہ سے پرہیز: آنحضرت ﷺ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے صدقہ وزکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ و عار سمجھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں جی میں آتا ہے کہ اٹھا کر منہ میں ڈال لوں پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو، اس لیے ڈال دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

مساوات: آپ ﷺ کی نظر میں امیر وغریب صغیر وکبیر آقا وغلام سب برابر تھے۔ سلمانؓ، صہیبؓ و بلالؓ سب غلام رہ چکے تھے، آپ ﷺ کی بارگاہ میں رؤسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے ایک دفعہ حضرت سلمانؓ و بلالؓ ایک موقع پر جمع تھے اتفاق سے ابوسفیان نکلے، ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے ان لوگوں نے کہا نہیں خدا آپ کو معاف کرے۔ (صحیح مسلم)

غزوہ بدر میں دوسرے قیدیوں کیساتھ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے، قیدیوں کو زرفدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا بعض نیک وعدل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپ ﷺ سے قرابت رکھتے تھے، عرض کی کہ یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباسؓ) کا زرفدیہ معاف کردیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔ (صحیح بخاری)

تواضع: گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، گدھے کی سواری سے آپ ﷺ کو عار نہ تھا، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا۔ (شمائل ترمذی)

غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے، مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے، صحابہؓ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ ﷺ کو پہچانہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ (شمائل ترمذی)

انسان کے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ اس دنیا میں نیکی سے راحت ملتی ہے۔



اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی امت سے فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی'' تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا طریقہ یہ ہے کہ میری اتباع کرو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلو۔ اس پر ایک بات عرض کرتا ہوں کہ جتنا قدم قیمتی ہوتا ہے اتنا ہی قیمتی نقشِ قدم ہوتا ہے اور پوری کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک سے بڑھ کر کسی مخلوق کا قدم نہیں ہے۔ اس لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو یعنی جس اللہ سے محبت کرنی ہے وہ قرآن میں آیت نازل فرما رہے ہیں اور اپنے محبوب سے کہلوا رہے ہیں کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ میری اتباع کرو یعنی جو بات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں عطا فرمائیں اس کو سر آنکھوں پر رکھ لو اور جس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرمائیں اس سے بچ جاؤ۔ جس شخص نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِرشاد مبارک میں اور اللہ تعالیٰ کے اِرشادِ مبارک میں فرق کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے اِرشادِ مبارک کی قدر نہ کی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَاۤاٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ میرے رسول تم کو جو احکام عطا فرما رہے ہیں اُن کو سر آنکھوں پر رکھ لو وَمَانَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا اور جس بات سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرمائیں اُس سے رُک جاؤ۔

محبت کی دو قسمیں: معلوم ہوا کہ ہر محبت اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک محبت مقبول اور ایک محبت مردود یعنی غیر مقبول جیسے عصر کی نماز کے بعد کوئی نفل پڑھے، بخاری شریف کی حدیث میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بھئی! ہمیں تو اللہ میاں سے محبت کرنی ہے اور وہ اخلاص کے ساتھ دروازے بند کر کے نفلیں پڑھے اور اخلاص بھی اتنا کہ اسے نہ بیوی بچے دیکھ رہے ہیں، نہ کوئی مخلوق دیکھ رہی ہے، خالص اللہ کے لیے نفلیں پڑھ رہا ہے مگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی وجہ سے نہ اس کا اخلاص قبول نہ اس کے نفل لہٰذا ثابت ہوا کہ الہ پاک کی محبت اتباعِ سنت کے ذریعہ ملتی ہے۔

اچھے لوگوں کی اچھائیاں اپنا لو نہ کہ بُرے انسانوں کی برائیاں۔

عشقِ رسول کی بنیاد اتباعِ رسول ﷺ ہے: صحابہ کرام ؓ میں یہی بات تھی کہ آپ ﷺ کی ایک ایک سنت پر فدا تھے۔ سرورِ عالم ﷺ جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے، کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے، آپ نے ان کے لیے ارشاد فرمایا اِجْلِسُوْا یعنی بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جن کے لیے محدثِ عظیم ملا علی قاری ؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے: اَفْضَلُ الصَّحَابَۃِ بَعْدَ خُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ (یعنی خلفائے راشدین کے بعد سب سے افضل صحابی تھے)۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے جیسے ہی آپ ﷺ کا ارشاد سنا تو وہیں مسجد کے دروازہ پر جوتوں میں بیٹھ گئے، سرورِ عالم ﷺ نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا عبداللہ ابن مسعود اندر آ جاؤ۔

محدثین لکھتے ہیں یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی انتہائی قدر اور نگاہِ رسالت میں انتہائی شانِ محبوبیت کی علامت ہے کہ آپ ﷺ کو گوارا نہیں ہوا کہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود جوتوں میں بیٹھ جائیں لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود کی اتباع دیکھئے کہ انہوں نے اگر مگر نہیں لگایا، جو اگر مگر لگاتا ہے وہ عاشق نہیں ہوتا۔ ایک اللہ والے بزرگ فرماتے ہیں ؎

مرضی تری ہر وقت جسے پیشِ نظر ہے
بس اس کی زبان پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

جو یہ کہے کہ اگر ہم ڈاڑھی رکھ لیں گے تو بیوی کی ناراضگی تو برداشت ہو جائے گی مگر لوگ کیا کہیں گے تو سمجھ لو یہ اگر مگر کرنے والا عاشق نہیں ہے۔

گھر میں تصویر لگانے کی حرمت: آہ! آج اُمت کے لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمانِ عالیشان کے پرخچے اُڑا کر محبت کا دعویٰ ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تصویروں کو گھروں میں مت رکھو، جہاں تصویریں ہوتی ہیں وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ آج اُمت کے گھر گھر میں تصویریں لگی ہیں لیکن دعویٰ عشقِ رسول میں سب سے آگے ہیں، نافرمانی کے ساتھ یہ کون سی عاشقی ہے؟ کیا محبت کا یہی حق ہے؟

اور صحابہ کرام ؓ کی کیا شان تھی کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو ناشتہ کی دعوت دی، آپ ناشتہ کے لیے جب ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ گھر میں تصویر تھی۔ فرمایا کہ عمر ایسے گھر میں ناشتہ نہیں کرے گا جس میں نافرمانیٔ رسول ہو رہی ہو۔ حضور کے فرمانِ عالیشان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو، ہم ایسے ناشتہ سے باز آئے، یہ محبت ہے، اِس کا نام عشق ہے۔

آج اُمت کے دیکھ کر دل کُڑھتا ہے، وظیفے خوب پڑھ رہے ہیں لیکن گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں ہے۔ ایک مرنے والے پر سورہ یٰسین کے کئی ختم ہوئے مگر اس کی روح نہیں نکلی، ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ نے خود مجھ سے فرمایا کہ وہ

نیک عمل وہ ہے جو لوگوں کی تعریف کی توقع سے بے نیاز ہو کر کیا جائے۔

لوگ مجھے لے گئے تھے کہ تین دن ہوگئے ہیں مگر روح نہیں نکل رہی ہے حالانکہ ہزار دفعہ یٰسین شریف پڑھی جا چکی ہے، میں نے دیکھا کہ وہاں لیاقت علی خان کی تصویر لگی ہوئی تھی، میں نے کہا کہ تصویر رکھتے ہوئے سورہ یٰسین شریف کا عمل کر رہے ہو، نافرمانِ رسول ﷺ کی نحوست سے رحمت کے فرشتے گھر میں کیسے آئیں گے؟ لہٰذا ابھی تصویر نکالو، چنانچہ جیسے ہی تصویر ہٹائی گئی فوراً ہی روح نکل گئی۔ تو عشقِ رسول نام ہے اتباعِ رسول ﷺ کا، سنت پر جان دے دو، چاہے دنیا کچھ ہی کہتی رہے اور آپ کا کتنا ہی مذاق اڑائے۔

ٹخنے چھپانا: بخاری شریف کی حدیث ہے: جس کا ٹخنہ اوپر سے آنے والے لباس مثلاً شلوار، پاجامہ، لنگی وغیرہ سے چھپا رہے گا اُتنا حصہ جہنم میں جلے گا، دوسری حدیث میں ہے کہ جو تکبر سے ایسا کرے گا، اِس حدیث کو لے کر آج لوگ خوب ہوشیاریاں اور چالاکیاں دِکھا رہے ہیں کہ صاحب میرا ٹخنہ تکبر کی وجہ سے نہیں ڈھک رہا ہے حالانکہ کبھی کسی صحابہ نے ٹخنہ نہیں ڈھکا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا پیٹ نکلا ہوا تھا اِس لیے آپ کا پاجامہ لٹک جاتا تھا لیکن آپ ؓ ہر وقت اُس کا اہتمام سے پورا کرتے رہتے تھے وہ وحی الٰہی سے سرورِ عالم ﷺ کی زبان رسالت سے اس بات کا اعلان ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ تکبر سے پاک ہیں، آج کے زمانہ میں کسی کو سرورِ عالم ﷺ نے مستثنیٰ فرمایا؟ کس کے لیے وحی نازل ہوئی؟ لہٰذا جو لوگ ٹخنے ڈھک رہے ہیں وہ حضور ﷺ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔

ذکرِ رسول ﷺ کی برکات: حکیم الامت مجددِ ملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سرورِ عالم ﷺ کی محبت میں ایک کتاب لکھی جس کا نام نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ ہے۔ یہ کتاب عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کا مصنف کتنا بڑا عاشقِ رسول ہے۔ اتنے بڑے عاشقِ رسول کو جو لوگ بدنام کرتے ہیں کل قیامت کے دن ان کو جواب دینا پڑے گا۔ بہرحال جب حضرت تھانویؒ کے فضائل پر اس کتاب کو لکھ رہے تھے اُس زمانہ میں تھانہ بھون میں طاعون پھیلا ہوا تھا تو جس دن کتاب لکھتے قصبہ میں کوئی موت نہیں ہوتی تھی اور جس دن ناغہ ہو جاتا تھا اُس دن کئی اموات ہو جاتی تھیں۔ جب حضرت کو مسلسل یہ روایت پہنچی تو آپ روزانہ لکھنے لگے اور جب روزانہ سرورِ عالم ﷺ کے فضائل اور آپ کی شان کو لکھنے لگے تو وہاں طاعون ختم ہو گیا۔ لہٰذا درود شریف کی کثرت بلاؤں کو ٹالنے کے لیے بھی اکسیر ہے اور ایک درود شریف پر دس درجے بلند ہوتے ہیں، دس نیکیاں ملتی ہیں اور دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کی محبت کا حق بھی ادا ہوتا ہے۔

دوزخ سے نجات چاہتے ہو تو خلق اللہ کی خدمت کرنے کو اپنا شعار بناؤ۔

گانے بجانے کی حرمت: اُس پیارے رسول ﷺ نے گانے بجانے کو بھی منع فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ سرورِ عالم ﷺ تشریف لے جارہے تھے کہیں سے گانے بجانے کی آواز آرہی تھی، آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں کانوں میں رکھ لیں اور اس راستہ سے ہٹ کر آگے نکل گئے اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے پوچھا جو آپ کے ساتھ تھے اور اس وقت بچے تھے کہ اب بھی آواز آرہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، تب آپ ﷺ نے انگلیوں کو کانوں سے نکالا۔ آہ! جس چیز کو سرورِ عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں گانا بجانا مٹانے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں آج امت رات دن اسی گانے بجانے میں غرق ہے۔

اتباعِ سنت پر اہل اللہ کی حرص: جب کسریٰ کے دربار میں کھانے کے دوران حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا، وہ اسے اٹھا کر کھانے کے لیے صاف کرنے لگے تو ایک صاحب نے اشارہ سے منع کیا کہ ایسا نہ کریں ورنہ وہ کہیں گے کہ مسلمان قلاش اور سات پشت کے فقیر ہیں، اس میں اسلام کی توہین ہے تو حضرت حذیفہ نے کیسا پیارا جواب دیا۔ ''کیا میں ان نادانوں اور بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں؟

اسی طرح آج کل لوگ پیالہ یا پلیٹ چاٹنے کی سنت پر عمل کرنے سے شرماتے ہیں۔ علامہ شامی نے حدیث نقل کی ہے کہ جب پیالہ چاٹا جاتا ہے تو پیالہ دعا دیتا ہے۔ کیونکہ اگر کھانے کے بعد پیالہ کو نہ چاٹا جائے تو اس میں لگا ہوا کھانا شیطان صاف کرتا ہے۔ سبحان اللہ! سرورِ عالم ﷺ کی محبت بھی کیا نعمت ہے۔

محبت کا انعام عظیم: ایک صحابی سرورِ عالم ﷺ کو بغیر پلکیں جھپکائے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ آج تم اتنی محبت سے مجھے دیکھ رہے ہو کہ آنکھیں جھپک بھی نہیں رہی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس لیے دیکھ رہا ہوں کہ یہاں تو جب دل تڑپتا ہے تو آکر آپ کی زیارت کر لیتا ہوں لیکن جنت میں آپ کا درجہ بہت اونچا ہوگا وہاں ہم آپ کو کیسے دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو جس سے محبت ہے وہ اسی کے ساتھ رہے گا''۔

دیکھا آپ کی محبت کیسی نعمت ہے! محبت والے کی دو رکعات غیر محبت والے کی لاکھ رکعات سے افضل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اے نبی ﷺ! آپ اعلان فرمایئے فَاتَّبِعُوْنِیْ میری اتباع کرو یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب کر لے گا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا وہی ہے جو متبع سنت ہے۔

ڈاڑھی منڈانے والوں سے حضور ﷺ کا اظہارِ نفرت: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل چاروں اماموں کا

اِجماع ہے کہ ایک مشت ڈاڑھی تینوں طرف سے رکھنا واجب ہے یعنی دائیں طرف سے، بائیں طرف سے اور سامنے سے لہٰذا اگر قیامت کے دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دریافت فرمالیں کہ اے میرے اُمتی! تُو نے میرے چہرے میں کیا عیب پایا کہ میری جیسی شکل نہیں بنائی تو بتائیں ہم لوگ کیا جواب دیں گے؟ جبکہ زندگی مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈاڑھی منڈی شکلوں سے سخت نفرت تھی۔ ایک مرتبہ ایران کے دو سفیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے جن کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک نفرت سے پھیرلیا۔ پس اگر قیامت کے دن ایسی شکل بنانے پر ہم سے بھی نفرت سے چہرہ مبارک پھیرلیا تو شفاعت کے امیدوارو! کہاں جاؤ گے؟ کس کو خوش کررہے ہو بیبیوں کو خوش کررہے ہو، اپنا نفس خوش کررہے ہو، یہ گال تمہاری ملکیت نہیں ہیں، یہ گال اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یادرکھو! بندہ کی ہر چیز بندہ ہے، اگر ہم بندہ ہیں تو سر سے پیر تک بندہ ہیں۔ ہمارا ہر جز خدا کا غلام ہے، یہ گال بھی خدا کے غلام ہیں، اختر کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈاڑھی رکھ لو، اختر کوئی چیز نہیں ہے، ایک بھنگی بھی اگر کمشنر کے احکام کا ٹین بجا کر اِعلان کرتا ہے تو آپ کمشنر کے احکام سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ اعلان کرنے والا جمعدار ہے، اگر اختر کو انتہائی حقیر سمجھتے ہو ہمیں منظور ہے لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈاڑھی رکھ لو تاکہ قیامت کے دن یہ کہہ سکو کہ ؎

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

اور اگر ڈاڑھی رکھنے پر کوئی آپ پر ہنسے تو یہ شعر پڑھ دیا کرو ؎

اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو
تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بنا دے

اہل اللہ کا طریقِ اصلاح: میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ جو نافرمانی کر کے خدائے تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اس کی مثال کٹی ہوئی پتنگ کی سی ہے، جب اللہ سے کٹ گیا تو جو چاہے اس کو لوٹ لے، نوچ کھسوٹ لے، کٹی ہوئی پتنگ کا حشر کیا ہوتا ہے؟ ایک پروفیسر جو یونیورسٹی میں بین الاقوامی تعلقات پڑھاتے تھے، میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صاحب میں بھی کٹی پتنگ ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی اللہ والا لوٹ لے۔ ظالم نے کیا بات کہی! اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں مجھے لُوٹا جائے گا کیونکہ میں کٹی پتنگ ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ بجائے اس کے کہ محلہ کے لڑکے مجھے لُوٹیں مجھے کوئی اللہ والا لُوٹ لے۔ میں نے کہا اللہ والے ایسے نہیں لُوٹتے، لُٹوانے کے لیے خانقاہوں میں جانا پڑتا ہے، وہ لُوٹنے کے لیے دروازے دروازے نہیں پھرتے اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کبھی کبھی دعوت اِلی اللہ کے لیے بھی سفر کرتے ہیں اور لُوٹنے سے مراد

یہ نہیں کہ وہ تمہارا مال لُوٹتے ہیں بلکہ اپنی اصلاحی تدابیر سے تمہارے اخلاقِ رذیلہ کو لُوٹ کر تمہیں اخلاقِ حمیدہ سے مزین فرما دیتے ہیں۔

آپ ﷺ کا عظیم الشان رُتبہ: علماء نے لکھا ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بعد سرورِ عالم ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ میں نے نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کی تو ایسا کہنا مکروہ ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی کیونکہ آپ ﷺ بحیاۃ طیبہ خاص حیات سے مشرف ہیں اور روضہ مبارک پر حاضر ہو کر جو صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو آپ ﷺ اس کے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں اور جواب بھی عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح علماء کرام کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ زمین کے جس ٹکڑے پر سرورِ عالم ﷺ کا جسم مبارک رکھا ہوا ہے زمین کا وہ ٹکڑا عرشِ عظیم سے افضل ہے۔ آپ ﷺ کی محبت جزوِ ایمان ہے، اس کے بغیر ایمان ہی قبول نہیں۔

اتباعِ سنت کا نور: دوستو! جو کام کرو سنت و شریعت کے مطابق کرو اور گانا بجانا طبلہ سارنگی یہ چیزیں خلافِ سنت ہیں، خلافِ شریعت ہیں، سرورِ عالم ﷺ نے اِعلان فرمایا کہ اے لوگو! میں باجا اور گانا بجانا مٹانے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں تو جس چیز کو مٹانے کے لیے نبی ﷺ پیدا کئے گئے آج اُمت اس چیز کو زندہ کر کے اپنے اوپر لعنت کیوں برسا رہی ہے؟ ایسی اُمت کیا فلاح پائے گی؟ پس سرورِ عالم ﷺ کے جتنے ارشاداتِ مبارک ہیں، جتنی سنتیں ہیں، ان سب کو سر آنکھوں پر رکھو، ان پر عمل کرو پھر دیکھو کہ کتنا نور پیدا ہوتا ہے، سورج اور چاند کیا جانیں اُس روشنی کی جو روشنی سنتِ رسول ﷺ میں ہے۔

عشقِ رسول ﷺ کا حاصل: عشقِ رسول ﷺ کا حاصل تو یہ تھا کہ حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر زندگی کی ہر سانس فدا کرتے، صبح وشام، کوئی دن ناغہ نہ کرتے، کثرت سے درود شریف پڑھتے اور کثرت سے آپ کی سنتوں کا مذاکرہ کرتے، اگر ہم لوگ ایک ایک سنت زندہ کرتے تو آپ ﷺ کی روحِ مبارک کتنی خوش ہوتی۔ اگر آج اُمت کے سب مرد ڈاڑھیاں رکھ لیں، پانچوں وقت کی نماز جماعت سے پڑھنے لگیں، اپنے ٹخنے کھول لیں اور جتنی سنتیں ہیں ان سب پر عمل کریں، گانا بجانا چھوڑ دیں تو بتاؤ! حضور ﷺ کی روحِ مبارک کتنی خوش ہوگی۔ وہ شخص ظالم ہے جو ایک سیکنڈ کو بھی حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھول جائے آپ ﷺ کی محبت جزوِ ایمان ہے لہٰذا جو شخص آپ کی رسات پر ایمان نہ لائے اس کا کلمہ درست نہیں ہے اگر چہ رات دن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے، اسے نجات نہیں ملے گی جب تک وہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ نہیں پڑھے گا یعنی اگر آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا جہنم میں جائے گا، اللہ تعالیٰ کے بعد پوری کائنات میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے۔

دوسروں کا بھلا کرتے ہوئے تم یہ یقین رکھو کہ تم اپنا ہی بھلا کر رہے ہو۔



جمالِ حبیبِ خدا ﷺ

محمد حبیب الرحمٰن شامی

نبی کریم ﷺ کا مبارک تذکرہ خواہ وہ حسن سیرت سے متعلق ہو یا حسن صورت سے، باعث خیر ہے اور یہ علامت حُب نبی ﷺ اور سبب حُب نبی ﷺ ہے۔ اسی لیے ہر زمانہ میں اصحاب علم اور اہل قلم نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرات صحابہؓ جہاں سیرت نبوی ﷺ کے حقیقی شیدائی تھے وہیں صورت نبوی ﷺ سے والہانہ محبت وعقیدت بھی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سراپائے نبی انور ﷺ کی مکمل تفصیلات متعدد روایات میں موجود ہیں جنہیں جمع کر کے اہل علم نے مستقبل کتابیں لکھیں، یا انہیں ضخیم کتابوں کا ایک اہم جز بنایا۔ چونکہ ہر فرد کا ضخیم کتب سے استفادہ دشوار ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کے ظاہری حسن و جمال اور آپ ﷺ کے سراپا (حلیہ مبارک) کی تفصیل جہاں بڑی سعادت کی بات ہے وہیں ہر مومن کو اسے اس نیت سے بھی معلوم کرنا چاہیے کہ محبت میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے دیدار کے لیے بے چین رہتے تھے، اور آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کو اپنی اولاد کے سامنے بیان کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا قد (جسم) مبارک: حضور ﷺ درمیانہ قد کے تھے نہ بہت لانبے تھے نہ بہت پست قد تھے اتنے لانبے نہیں تھے کہ دیکھنے میں برا لگے اور نہ ہی اتنے پست قد تھے کہ ناٹے معلوم ہوں۔ (شمائل ترمذی)

پھر بھی آپ ﷺ جب مجمع میں ہوتے تو سب سے اونچے اور ممتاز معلوم ہوتے تھے، درحقیقت یہ حضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ باوجود میانہ قد ہونے کے سب سے ممتاز اور اونچے نظر آتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نہ تو بہت لانبے تھے اور نہ بہت پست قد تھے جب آپ ﷺ تنہا ہوتے تو درمیانی قد والے معلوم ہوتے اور جب قوم کے درمیان ہوتے تو سب سے بلند وبالا معلوم ہوتے، اور ایک جگہ وہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اگر دو آدمی کے درمیان ہوتے تو آپ ان دونوں سے بلند نظر آتے اور جب ان دونوں سے جدا ہوتے تو متوسط القامت نظر آتے۔ نیز مجلس میں آپ ﷺ کے دونوں شانے مبارک بلند سے بلند تر معلوم ہوتے۔

نیک آدمی خوشبو کی طرح ہوتا ہے اس لیے اس کا ذکر ہر جگہ ہوتا ہے۔

(الانوار المحمدیہ و بیہقی)

پیشانی مبارک: آپ ﷺ کی پیشانی کشادہ اور فراخ تھی اور دونوں ابروں کے درمیان ایک رگ تھی جو (خلاف شرع کام کرنے والے پر) غصہ کرتے وقت ابھر جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے نیک بختی سعادت مندی اور نورانیت ٹپکتی رہتی تھی۔ (مدارج النبوۃ)

ہند ابن ابی ہالہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ابرو باریک خمدار اور گھنے تھے دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ (شمائل ترمذی)

لیکن حضرت علیؓ نے اپنی حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کشادہ اور بھنویں ملی ہوئی تھیں۔ اور ہند ابن ابی ہالہ کی درج بالا حدیث میں (یعنی ابرو کے بال ملے ہوئے نہیں تھے) آیا ہے ارباب سیر نے ان دونوں روایات میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اصل اور صحیح روایت سے تو یہ ثابت ہے کہ ابرو کے بال ملے ہوئے نہیں تھے اور جس روایت سے باہم ملنے اور اتصال کا ذکر ہے اس سے مراد چند خفیف بالوں کا ملنا ہے، بہت گہرے ملے ہوئے نہیں تھے کہ جس سے دونوں ابرو پیوست ہوں۔ (مدارج النبوۃ)

آپ ﷺ کی پلکیں: آپ ﷺ کی پلکیں، سیاہ، دراز اور گھنی تھیں۔ (شمائل ترمذی)

پُرنور آنکھیں: آنکھ کی پتلی نہایت سیاہ تھی اور اس کی سفیدی والا حصہ خوب سفید تھا اور اس حصے میں لال ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ (شمائل)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور بھنویں دراز تھیں، بڑی ہونے کا مطلب تنگ اور چھوٹی آنکھ ہونے کی نفی کرنا ہے اتنی بڑی نہیں تھیں کہ آنکھیں باہر نکلی ہوئی معلوم ہوں بلکہ اعتدال کے ساتھ بڑی تھیں۔ ایک روایت میں آ ﷺ کی آنکھوں کے سلسلہ میں اکحل العینین کا لفظ آیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی آنکھیں بغیر سرمہ لگائے سرمگیں نظر آتی تھیں۔ (مدارج النبوۃ)

پھر بھی آپ ﷺ ہر رات کو اپنی آنکھوں میں اثمد سرمہ لگایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ تم اثمد سرمہ لگایا کرو کیونکہ وہ آنکھ کی روشنی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

آپ ﷺ کی بینائی خوب تیز تھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ رات کی تاریکی میں بھی ویسا ہی دیکھتے تھے جیسا کہ دن کی روشنی میں۔ (بخاری و بیہقی)

ناک مبارک: آپ ﷺ کی ناک مبارک بلندی کی طرف کچھ مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا پہلی مرتبہ آپ کو دیکھنے والا بڑی اور لمبی ناک والا سمجھتا تھا، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ حسن اور چمک کی وجہ سے وہ بلند معلوم ہوتی ہے، فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی بلکہ اعتدال کے ساتھ لمبی تھی۔ (شمائل اور خصائل)

جب انسان نیک ہو جاتا ہے تو اس کا ہر عمل بھی بذات خود ایک نیکی بن جاتا ہے۔

دہن (منھ) مبارک: حضور ﷺ کا دہن (منھ) شریف فراخ اور کشادہ تھا۔ (مسلم)
اہل عرب مردوں کے لیے کشادہ دہنی کو قابل تعریف اور تنگ دہنی کو قابل مذمت ٹھہراتے تھے عرب کے شعراء تنگ دہن کو معشوق اور محبوب سے نسبت دیتے تھے گویا ان کے نزدیک تنگ دہن ہونا عورتوں کے اوصاف میں سے تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فراخ دہنی سے نوازا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے منھ مبارک سے جو بھی بات نکلتی تھی تام اور کامل ہوتی تھی شکستہ اور ناقص الفاظ استعمال نہیں فرماتے تھے، گویا فراخ دہنی سے آپ ﷺ کے فصیح ہونے کو بتایا گیا ہے۔ (مدارج النبوۃ)

دندان (دانت) مبارک: آپ ﷺ کے دندان مبارک موتی کی طرح آبدار تھے، سامنے کے دانتوں کے درمیان تھوڑا سا فصل تھا جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو سامنے کے دانتوں سے ایک نور سا ظاہر ہوتا تھا۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی حسی چیز تھی جو بطور معجزہ آپ ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

لعاب مبارک: حضور ﷺ کا لعاب مبارک بیماریوں کے لیے باعث شفاء تھا، خیبر کے روز آپ ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ کل میں جنگی جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دونگا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائے گا وہ شخص اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اسکا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن تمام صحابہؓ امیدوار تھے کہ اپنے کو دیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ انکی آنکھوں میں درد (آشوب) ہے آپ ﷺ نے فرمایا ان کو ادھر بھیجو چنانچہ ان کو لایا گیا آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کی دونوں آنکھوں میں لگایا تو دونوں آنکھیں ایسی اچھی ہوگئیں گویا اس میں درد ہی نہیں تھا۔

آپ ﷺ کا لعاب دہن نہایت خوشبودار بھی تھا ایک کنویں میں آپ ﷺ نے کلی فرمائی تو اس سے مشک کی طرح خوشبو آنے لگی۔ اسی طرح آپ ﷺ حضرت انسؓ کے مکان کے کنویں میں اپنا لعاب ڈالے تھے تو مدینہ میں کوئی کنواں اس سے زیادہ میٹھا اور شیریں نہ تھا اس طرح کی کئی روایات اور واقعات ہیں جس سے آپ کے لعاب دہن کی برکت اور عظمت معلوم ہوتی ہے۔ (الانوار المحمدیہ من المواھب اللدینہ)

کان مبارک: آپ ﷺ کے کان کامل اور مکمل تھے (حوالہ جامع صغیر) اور دوسروں کے مقابلہ میں آپ کی قوت سماعت بھی زیادہ تھی۔

آواز مبارک اور انداز گفتگو: آپ ﷺ کی بولی بڑی شیریں اور پیاری تھی تمام بولیوں سے زیادہ حسین اور دلکش تھی کوئی بھی آپ ﷺ سے بڑھ کر خوش آواز نہیں گزرا، آپ ﷺ کے کلام کی

دنیا میں صرف دو مذہب ہیں، نیک اور بد۔

توصیف اور تعریف کرتے ہوئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر خوش آواز اور خوش رو یہاں تک کہ ہمارے نبی سرکار دو عالم ﷺ ان اوصاف میں فائق تر و بلند تر تھے جہاں تک کسی کی آواز نہیں پہونچتی ہو وہاں تک آپ کی آواز مبارک بے تکلف پہونچ جاتی تھی خصوصاً ایسے خطبوں کی آواز جس میں نصیحت یا خدا سے ڈرانا ہوتا تھا حتیٰ کہ پردے میں بیٹھی ہوئی خواتین بھی آپ ﷺ کی آواز سن لیا کرتی تھیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے منیٰ میں جو خطبہ دیا تھا اس کو تمام صحابہ کرامؓ نے سنا تھا، (جبکہ اس وقت وہاں پر موجودہ تعداد تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار تھی) اور دوسری حدیث میں آیا کہ منیٰ میں آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور حضرت علیؓ اس کی تعبیر کرتے جا رہے تھے اس سے مراد اس کلام کی توضیح و تفسیر ہے آواز کو سنوانا مقصد نہیں ہے آواز تو سب سن رہے تھے۔ (مدارج النبوۃ: جلد:۱، قسط:۱، صفحہ: ۲۴، ۲۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار اور جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر بات کو الگ الگ بیان فرماتے تھے اور ان باتوں کو پاس بیٹھنے والے حضرات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

آپ ﷺ کے رخسار مبارک: آپ ﷺ کے رخسار مبارک ہموار، پُر گوشت اور نرم تھے۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ حسین اور خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

گردن مبارک: آپ ﷺ کی گردن مبارک چاند کی طرح صاف و شفاف اور خوبصورت تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی گڑیا کی گردن ہے۔ (شمائل وخصائل)

سر مبارک: حضور ﷺ کے سر مبارک کے بال بہت گھنے تھے نہ بالکل گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرے خمدار تھے۔ اس سے زلف مبارک کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ (شمائل ترمذی)

زلف کی حد: آپ ﷺ کے زلف کی لمبائی کے سلسلہ میں تین مختلف روایتیں حدیثوں میں آتی ہیں۔

(۱) حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے زلف کان کی لو تک تھے۔ (عظیم الجمۃ الی شحمۃ اذنیہ)

(۲) حضرت براا بن عازب ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے بال مونڈھوں تک تھے۔ (لہ شعر یضرب منکبیہ)

(۳) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے۔ (شمائل ترمذی)

لیکن ان تمام روایات میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں ہے کیونکہ بال بڑھنے والی چیز ہے ایک زمانہ میں نصف کان تک تھے تو دوسرے زمانہ میں کان

اس بھائی چارگی میں کوئی خوبی نہیں جس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کی جاتی۔

کی لو تک اور جب مزید بڑھ گئے تو مونڈھوں تک آگئے ہوں، اور جو صحابی نے جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کو دیکھا تو انہوں نے وہی حال بیان کر دیا اور حضرت براء بن عازب ؓ ہی سے اس کے متعلق جو دو قسم کے مختلف احادیث منقول ہیں۔ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی مرتبہ جب انہوں نے دیکھا تھا تو کان کی لو تک تھے اور جب دوسری مرتبہ مشاہدہ کیا تو مونڈھوں تک پہنچ چکے تھے بعض علماء کرام نے ان تینوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ سر مبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے اور سر کے درمیانی حصہ کے بال کانوں کی لو تک اور سر کے آخری حصہ کے بال مونڈھوں تک پہنچ جاتے تھے بہر حال تینوں طرح کی روایات صحیح سند سے ثابت ہیں۔ (مستفاد از انور المحمدیہ من المواھب اللدینہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال: حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی سفیدی تھی اور حضرت انس ؓ ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور ڈاڑھی مبارک میں صرف چودہ بال سفید تھے اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں کل سترہ یا بیس بال سفید تھے۔ (شمائل ترمذی)

سفید بال کی وجہ: حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بوڑھے ہوگئے ہیں؟ (کہ آپ کے بال سفید ہوگئے اس کی کیا وجہ ہے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورہ ھود، واقعہ، مرسلات، عم یتسالون اور سورہ کورت نے بوڑھا بنا دیا ہے۔ (شمائل ترمذی)

سینہ مبارک: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک فراخ اور کشادہ تھا، دونوں مونڈھوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ فصل تھا، سینہ کا چوڑا اور کشادہ ہونا شجاعت اور بہادری کی علامت ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی نمایاں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس آدمیوں کی طاقت تھی اور ترمذی شریف کی روایت کے مطابق چالیس جنتیوں کی طاقت تھی اور ایک جنتی کی طاقت دنیا کے سو آدمیوں کے برابر ہوتی ہے اس طرح گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار دنیوی انسانوں کی طاقت دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے لیکر ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی۔ (ذو مسربة) اسکے علاوہ چھاتی اور پیٹ پر بال نہیں تھے البتہ دونوں بازوؤں اور کندھوں اور سینہ مبارک کے اوپری حصہ پر کچھ بال تھے۔ (مستفاد از شمائل ترمذی)

بطن (پیٹ مبارک): آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطن مبارک ہموار اور برابر تھا، یعنی پیٹ سینہ سے بلند نہیں تھا بلکہ دونوں برابر تھے۔ (شمائل ترمذی)

بغل شریف: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل شریف سارے بدن مبارک کی طرح سفید تھی، امام طبری ؒ کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی ورنہ

ہر روز کم از کم ایک اچھا کام ایسا کرو جو کسی کے دکھی چہرے پر تبسم بکھیر دے۔

آپ ﷺ کے سوا اکثر لوگوں کے بغل کا رنگ کالا ہوتا ہے امام قرطبیؒ کہتے ہیں آپ ﷺ کے بغل میں بال نہیں تھے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ بات ثابت نہیں ہے کیونکہ جلد کی سفیدی سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغل میں بال نہ ہوں، جبکہ احادیث میں نتف ابطیہ آیا ہے کہ حضور ﷺ بغل کے بال کو اکھیڑلیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بغل میں بال تھے۔ آپ ﷺ کے بغل شریف سے خوشبو آتی تھی ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ مجھ سے بغلگیر ہوئے تو آپ کے بغل شریف کے پسینہ سے مشک کی طرح خوشبو آرہی تھی۔ (مدارج النبوۃ)

مہر نبوت: آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان (پشت پر) مہر بنوت تھی اور وہ مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی، جو درحقیقت ایک اُبھرا ہوا گوشت تھا جس کے چاروں طرف تِل تھے جو گویا مسّوں کے برابر معلوم ہوتے تھے، اور اس کے اطراف چند بال تھے۔ مہر نبوت پر کیا لکھا ہوا تھا، یہ صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ ابن حبانؒ وغیرہ سے صراحت کی ہے کہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر سر فانت لمنصور (ترجمہ: تم جہاں چاہے جاؤ تمہاری مدد کی جائے گی) لکھا ہوا تھا۔

دراصل مہر بنوت آپ ﷺ کا ایک معجزہ اور علامت نبوت تھی، چونکہ سابقہ کتب سماوی میں اس بات کی پیشنگوئی کی گئی تھی کہ آخری نبی جو مبعوث ہوں گے ان کی ہجرت کی جگہ ایسی زمین ہوگی جہاں کھجور زیادہ ہونگے، اور وہ عرب میں پیدا ہونگے، اور وہ دین ابراہیمی پر ہونگے، وہ ہدیہ نوش فرمائیں گے، صدقہ نہیں کھائیں گے، اور ان کے دونوں شانوں (مونڈھوں) کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ اسی مہر نبوت اور دیگر علامات کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسیؓ ایمان لائے تھے۔ (مستفاد از شمائل ترمذی)

آپ ﷺ کے ہاتھ اور انگلیاں: آپ ﷺ کی کلائیاں دراز تھیں اور ان پر کچھ کچھ بال تھے، ہتھیلیاں فراخ، کشادہ، پر گوشت اور نرم وملائم تیں انگلیاں (تناسب کے ساتھ) لانبی تھیں، آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کی نرمی کے سلسلہ میں حضرت مستور بن شدادؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے پوچھا تو والد صاحب نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور میں نے آپ ﷺ سے مصافحہ کیا آپ کا دست (ہاتھ) مبارک ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ سرد تھا۔ (طبرانی عن مستور بن شداد)

ڈاڑھی مبارک: آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک گھنی تھی اور آپ ﷺ اپنی ڈاڑھی مبارک میں تیل لگایا کرتے تھے اکثر اس میں کنگھا کرتے اور اس کو اچھے انداز سے رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ شفائے قاضی عیاض میں کہا گیا ہے کہ اللحیۃ یملاصدرہ یعنی آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کے بال اتنے زیادہ تھے کہ جس سے آپ ﷺ کا سینہ مبارک ڈھب گیا تھا۔ آپ ﷺ کی ڈاڑھی

مبارک کی لمبائی کتنی تھی یہ صحیح روایات سے منقول نہیں ہے البتہ وظائف النبی میں کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک چار انگلی تھی اس سے کم نہیں ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ڈاڑھی مبارک کو تھوڑی کے نیچے کر کے گرہ نہیں لگاتے تھے بلکہ ڈاڑھی پر گرہ لگانے اور اس کو اندر دبا کر رکھنے والے پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فان محمد ابری منه یعنی اس شخص کا جو ڈاڑھی پر گرہ لگاتا ہے مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (نسائی)

لبہائے مبارک: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مونچھیں ترشواتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ امر بھی فرمایا ہے کہ مشرکوں اور مجوسیوں کی مخالفت کرو اور اپنی ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور لبوں (مونچھوں) کے کم کرنے اور ترشوانے میں مبالغہ کرو۔ (بخاری)

چہرہ انور: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور نہ بالکل گول تھا اور نہ ہی بہت لانبا تھا بلکہ معتدل اور تھوڑی سی گولائی لیئے ہوئے تھا۔ (شمائل وخصائل)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن بے مثال: علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا حسن و جمال ظاہر کیا جاتا تو آنکھیں اس کا تحمل نہیں کر سکتی تھیں۔ (الانوار المحمدیه)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید رنگ کے تھے، ایسی سفیدی نہیں جو چونے میں ہوتی ہے اور نہ ایسا گندمی رنگ تھا کہ جس میں کالے پن کی جھلک آجائے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ سفید ہونے کے ساتھ چمکدار بھی تھا اور اس میں کسی قدر گندمی رنگ شامل تھا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن دوبالا ہوگیا تھا۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت حسین و جمیل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس اتنا خوبصورت تھا کہ میں نے اس سے زیادہ حسین چہرہ والا کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت بابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا کہ بیچ آسمان میں ہے، میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھتا اور کبھی چاند پر نظر ڈالتا، مجھے اخیر میں یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔ (ماخوذ از مسلم وشمائل)

پُر گوشت جوڑ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوڑ کی جگہیں مثلاً کہنیاں، گھٹنے، وغیرہ سب کے سب پُر گوشت اور گدُاز تھیں جو کہ قوت اور طاقت کی علامت ہے۔ (شمائل وخصائل)

پنڈلیاں مبارک: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلیاں باریک ولطیف تھیں پُر گوشت نہیں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ: سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے ہمیشہ عطر لگائے بغیر خوشبو مہکتی رہتی تھی پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کی تعلیم کی غرض سے عطر لگاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک تمام عطروں سے ممتاز اور عمدہ تھا، چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی خوشبو عنبر نہ مشک اور نہ کوئی دیگر خوشبو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ عمدہ سونگھی۔ (مسلم ثانی:۲۵۷)

مطمئن اور خوش رہنا چاہتے ہو تو راستی اور دیانت داری اختیار کرو۔



محبت نبی کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید

سورۂ توبہ میں ہے" آپ فرما دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارے وہ اموال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس میں تمہیں خسارے کا اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجیں۔" اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہونی چاہیے، اگر ایسا نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں نہ آ جائیں۔

ایک حدیث میں خود سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا جب تک اسے میرے ساتھ اپنے ماں باپ اور اولاد اور سارے انسانوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو"

دنیا میں محبت کے تین بڑے اسباب شمار ہوتے ہیں: کمال، جمال، احسان۔ یہ تینوں اسباب سرورِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں لہٰذا آپ سے محبت رکھنا دنیا کے چلے ہوئے قانون اور رسم کے مطابق بھی ضروری ہے۔

اگر کمالات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیا کرام کو جو کمالات فرداً فرداً عطا کیے گئے وہ سارے کمالات، ربِ کائنات نے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس میں جمع فرما دیے تھے۔ وہ کون سا خلق اور کمال ہے جو آپ کو عطا نہیں کیا گیا تھا، آپ کے علم کا حال یہ ہے کہ آپ کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے ارشادات کی آج تک تشریحات کی جا رہی ہیں، مگر حق ادا کرنے کا کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکا، ان شارحین میں کوئی محدث ہے اور کوئی فقیہ، کوئی مفسر ہے اور کوئی سیرت نگار جبکہ فرمانے والے امّی محض تھے۔

خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو حضور ﷺ سے زیادہ خوش خلق اور خوش مزاج نہیں دیکھا، خود باری تعالیٰ نے آپ کے بارے میں گواہی دی ہے کہ آپ خلق عظیم کے منصب پر فائز تھے۔ "خلق عظیم" اخلاق کے سب سے بلند مرتبہ کا نام ہے ظاہر ہے جب آپ کو سب سے اونچا مقام عطا کیا گیا تو نیچے کے سارے مقامات اس میں جمع ہو گئے۔

گمراہیاں راستی کی راہ دکھانے سے ہی رک سکتی ہیں۔

محبت کے دوسرے سبب یعنی جمال کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی آپ بے مثال ثابت ہیں صحابہ گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے آپ سے زیادہ حسین چہرہ کسی کا نہیں دیکھا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے چہرۂ انور میں سورج رواں دواں ہے، حضرت حسّان ؓ سارے اہلِ اسلام کے جذبات کی نمایندگی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''میری آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین کبھی دیکھا ہی نہیں (اور دیکھتی بھی کیسے جبکہ) آپ سے زیادہ جمیل کسی ماں نے کوئی جنا ہی نہیں، آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ویسا ہی پیدا کیا گیا جیسا کہ آپ چاہتے تھے۔''

ایسے صحابہ بھی تھے جنھوں نے صرف آپ کا چہرہ دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ یہود کے بہت بڑے عالم حضرت عبداللہ بن سلام ؓ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں، حضرت ابورافع ؓ قریش کے پیغامبر بن کر آئے تھے وہ فرماتے ہیں ''جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام کا چراغ روشن ہوگیا۔''

محبت کا تیسرا سبب احسان ہے، انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے، عربی کا محاورہ ہے ''الانسان عبدالاحسان'' (انسان احسان کا غلام ہوتا ہے) اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہم پر رب کائنات کے بعد سب سے زیادہ احسانات حضور اکرم ﷺ کے ہیں، آپ ہی تو ہیں جنھوں نے ہمیں خدا سے ملایا، توحید کا سبق پڑھایا، علم و معرفت کے دریا بہائے، بیواؤں کو سہارا دیا، یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھا، حیوانوں کو انسان بنایا، عورتوں کو حقوق دیئے، انسانوں میں ذات پات کے تفاوت کو ختم کیا۔

آپ ﷺ ہی تو تھے جو انسانیت کے لیے غمزدہ اور دعا گو رہتے تھے، آپ سے محبت کرنے والا حقیقت میں انسانیت سے اور اخلاق حسنہ کے عظیم ترین پیکر سے محبت کرتا ہے، یہ بات عام انسانوں کے حوالے سے کی جارہی ہے، ورنہ خود مسلمان کا حال یہ ہے کہ محبت نبوی اس کے ایمان کا حصہ ہے، اس کے ایمان کا اعتبار ہو ہی نہیں سکتا اگر اس کے دل میں سرکارِ دوجہاں ﷺ کی محبت نہ ہو۔

مسلمانوں کے دل میں حضور کی جو محبت ہے اس کا اندازہ دشمنان اسلام کو بھی ہے اور وہ مختلف حربوں کے ذریعے مسلمان کے دل سے اس محبت کو کھرچنے کی کوشش کرر ہے ہیں، توہین رسالت کے حالیہ واقعہ کو بھی اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے، اس موقع پر محبت مصطفوی کا تقاضا یہ ہے کہ اتباع واطاعت کا حق ادا کرکے ہم دشمنوں کی مذموم کوششوں کو ناکام بنا دیں، آپ کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کے لیے اپنی ساری توانائیاں لگادیں، آپ کی توہین جیسے ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کرنے والے ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ شروع کردیں، اس سلسلہ میں ہمیں حکومت یا او آئی سی کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے دائرہ میں بائیکاٹ کا آغاز کردینا چاہیے۔

حقوق العباد کی نفی کرنے والا ظالم ہے۔

نوجوانوں کے لیے نقش

مولانا فضل الرحیم اشرفی

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تعظیم وتکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔

(جامع ترمذی:2022)

زمانہ جوانی میں انسانی قوتیں بھی اپنے عروج پر ہوتی ہیں، سوچنے کی طاقت، عمل کی قوت، غصہ کی طاقت اور ہر قسم کی قوت پر اسے ناز بھی ہوتا ہے، اس لیے جوانی میں انسان سرکشی کی طرف بھی زیادہ مائل ہوتا ہے لیکن اگر انسان زمانہ جوانی میں سنبھل جائے تو یہ واقعی ایک مثالی جوان ہوتا ہے، غالباً اسی لیے شیخ سعدیؒ نے فرمایا:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

جوانی میں پرہیز گاری کی زندگی گزارنا پیغمبروں کا طریقہ ہے اور واقعی بہت بڑا کمال ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بہت سے کمالات میں سے ایک کمال اللہ تعالیٰ نے یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ جوانی ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کا لوگوں سے اعتراف کروالیا۔ نبوت ملنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک کی جوانی کی زندگی اپنی قوم میں گزار چکے تھے، اس زندگی کی پوری تصویر اور اس کا ہر رخ آج تک محفوظ ہے۔ یہ چالیس سالہ زندگی سچائی، دیانت اور خدمتِ خلق جیسے اعلی اوصاف سے بھر پور ہے، جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے بھی صادق اور امین کے لقب سے پکارا، جب آپ کو نبوت ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سچائی کے ثبوت میں اپنی اُسی چالیس سالہ زندگی کو پیش فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے دشمن، آپ کے دین اور دعوت کے دشمنوں کو بھی اس بات کی ہمت نہ ہوسکی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سابقہ زندگی پر انگلی اٹھا سکیں۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کی حالت میں پاکیزہ زندگی ہے، ایسی صاف ستھری اور اخلاق سے آراستہ زندگی، جس کے دوست ودشمن سب ہی معترف ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے الفاظ ہیں کہ میں نے اپنے بھتیجے کو جھوٹ بولتے نہیں سنا اور اسے کبھی گلیوں میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

آج ہمارے معاشرے میں نوجوانوں کے سب سے زیادہ عیب اس کے رشتہ داروں کو معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے معاشرے کے بزرگ آج کے نوجوانوں پر کوئی ذمہ داری ڈالنے سے گریز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جبکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی جوانی کے زمانے میں حجر اسود کی تنصیب جیسے ذمہ دارانہ کارنامے انجام دیے۔

جب بارشوں کی وجہ سے سیلاب آیا، کعبہ کا کچھ حصہ گر گیا تو مختلف قبیلوں نے مل کر اسے دوبارہ تعمیر کیا، حجرِ اسود لگانے کا سوال اٹھا تو فساد کا خطرہ ہوا، طے ہوا کہ جو سب سے پہلے کل صبح بیت اللہ میں داخل ہوگا وہ فیصلہ کرے گا، سب نے پہلے پہنچنے کی کوشش کی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی عمدہ تدبیر کے ساتھ حجرِ اسود رکھوایا اور ایک بہت بڑا مسئلہ آپ ﷺ نے نوجوانی میں حل فرمایا۔ جوانی میں آپ ﷺ محبت اور رحمت کی مثال تھے، کسی کی تکلیف کو دیکھ کر مدد کے لیے تیار ہو جاتے، ایک بڑھیا کو دیکھا، بوجھ اٹھائے جارہی تھی، کمر بوجھ تلے جھکی جارہی تھی، پتھر دل لوگ ہنس رہے تھے، آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر بوجھ اپنے کندھے پر رکھا اور لوگوں سے کہا: ایک کمزور بڑھیا کا مذاق اڑانا جوانوں کا شیوہ نہیں، مردانگی یہ ہے کہ اس کا بوجھ اٹھا لو۔ جوانی میں بھی آپ ﷺ اپنے وقت کا کافی حصہ بوڑھوں، بیماروں اور معذور لوگوں کی دیکھ بھال پر صرف فرماتے تھے۔ ان کے چھوٹے بڑے کام کرتے، ایک روز ایک قریشی سردار نے کہا کتنی شرم کی بات ہے، تم اپنے خاندان کو بٹہ لگاتے ہو اور تم اونچے گھرانے کے چشم و چراغ ہو اور اس طرح غریبوں کے کام کرتے ہو۔ رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: بے شک میرا پردادا ہاشم قریش کا سردار تھا، مگر وہ بھی سب کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو یتیموں سے بھی بڑی محبت تھی، ایک بچّے کو کمزور حالت میں دیکھا، اس سے وجہ پوچھی، وہ رو پڑا اور بھوک کی شکایت کی، آپ ﷺ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے، آپ ﷺ لڑکے کو گھر لے گئے، کھانا کھلایا اور کپڑے پہنائے۔

جوانی میں معاشرتی ذمہ داریاں پیش آئیں تو تجارت کو ذریعہ معاش بنایا، تجارت کی کامیابی کا علم مکہ کی مالدار خاتون بی بی خدیجہ کو ہوا تو کارندوں کے ذریعہ شام کے سفرِ تجارت پر بھیجا، اپنے معتبر غلام میسرہ کو بھی ساتھ کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دیانت اور محنت سے کام کیا کہ حضرت خدیجہؓ کو توقع سے زیادہ منافع ہوا۔ میسرہ کے ذریعہ نیکی اور دیانت کا معیار سنا تو آپ ﷺ سے شادی کا پیغام بھیجا۔ اس

قسم مت کھاؤ اگر قسم کھاؤ تو اسکی حفاظت کرو۔

وقت آپ ﷺ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی صورت میں ایک نیک اور خدمت گزار بیوی ملی، ان کے ہم راہ بڑی پرسکون اور خوش گوار جوانی میں خانگی زندگی گزاری، ان سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں، بیٹے چھوٹی عمر میں وفات پاگئے، باقی ان چاروں بیٹیوں کی شادیاں ہوئیں، کام یاب جوانی کی زندگی میں ایک کام یاب انسان، ایک کام یاب باپ، خاوند اور پھر کام یاب تاجر کی زندگی گزاری، یہاں تک کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔

آپ ﷺ کی اس جوانی کی زندگی میں آج کے جوان کو جو نقوش ملتے ہیں ان میں بنیادی اور بہت گہرا نقش تو یہ ہے کہ آج کا جوان اپنی جوانی میں سچائی اور دیانت اور شرافت کا پیکر بن جائے اور اس کی خوبیوں کے معترف سب سے پہلے اس کے گھر والے ہوں، جن کے ہم راہ وہ دن رات گزارتا ہے، پھر اس کے رشتہ دار اس کی خوبیوں کے معترف ہوں اور آج کے نوجوان پر جب معاشی ذمہ داریاں آجائیں تو یہ کام یابی سے ان ذمہ داریوں کو نبھائے اور یہی خوبیاں اس قدر کمال کی ہوں کہ وہی اس کی شادی کا سبب بن جائیں اور اس کے بعد خاوند اور باپ بننے کے بعد اپنی پوری زندگی میں ہر مرحلہ کے اندر رسول ﷺ کی حیات طیبہ سے راہ نمائی حاصل کرتا رہے۔

جنت اور اہلِ جنت

حضور نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا: ''وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ''

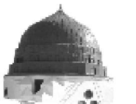
ترجمہ: ''اور (وعدہ ہے) بہشت ہائے جاوداں میں نفیس مکانات کا'' (التوبہ۔72)

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(بہت بڑے) موتی کا محل میں یاقوت کے ستر گھر ہیں، ہر گھر میں سبز زمرد کے ستر کمرے ہیں، ہر کمرے میں ایک تخت ہے، ہر تخت پر ہر رنگ کے ستر بستر ہیں اور ہر بستر پر ایک حور عین ہے اور ہر کمرے میں ستر دسترخوان ہیں اور ہر دسترخوان پر ستر رنگ کے کھانے ہیں، ہر کمرے میں ستر خدام ہیں اور مومن کو ان چیزوں کے تمام لوازمات دیئے جائیں گے۔'' (تفسیر قرطبی) حضور ﷺ فرماتے ہیں ''مجھے جنت میں لے جایا گیا دیکھا تو وہاں موتی کی چٹانیں ہیں اور وہاں کی مٹی مشک کی ہے۔'' (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ''جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا جاتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو بُو نہیں کرے گا اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلے گا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے سرار لذت ہے شہد مصفّٰی کی نہریں ہیں اور ان کے لیے ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے۔'' (سورۃ محمد۔15)

(☆......بنت خدا بخش......☆)

ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی ہے۔ (القرآن)



سراجاً منیراً
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حافظ اجود عبید

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم یٰاَیُّھَاالنَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (سورہ احزاب)

ترجمہ: اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا اور خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے، چمکتا چراغ۔

میرے بھائیو! دوستو! بزرگو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ صفات اور آپ سے طرز خطاب کا سلیقہ بیان فرمایا ہے، یوں تو رحمت دوعالم کی تعریف سے قرآن بھرا پڑا ہے، مگر ان پانچ صفات میں تو سمندر کوزے میں بند کر دیا ہے۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، اور سراج منیر، اگر ہر ایک صفت پر سیر حاصل بحث اور تبصرہ کیا جائے تو اس سے مضمون طویل ہو جائے گا۔ اس لیے اختصار کے ساتھ تمام صفات کے متعلق کچھ نہ کچھ عرض کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس آیت میں پانچ صفتیں بیان فرمائی ہیں پہلے ان سے خطاب کا طریقہ سکھلا دیا کہ دیکھو جب میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرنا ہو تو ان کو نام لے کر خطاب نہ کرنا، بلکہ جس طرح میں ان سے خطاب کروں، اسی طرح تم بھی خطاب کیا کرو۔ میں نے سارے قرآن میں کہیں بھی آپ کا نام لے کر آپ کو خطاب نہیں کیا۔ تمام انبیاءؑ کو خطاب نام لے کر کیا گیا ہے۔

مگر جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے طرز خطاب ہی بدل دیا۔ نام لے کر خطاب کرنے کی بجائے کہیں ارشاد فرمایا یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ کہیں ارشاد ہوا یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ اور کسی مقام پر فرمایا یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اور کہیں یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اور یٰسین کے پیارے خطاب سے نوازا۔

اس مقام پر سوچنا چاہیے کہ جب رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نام لے کر نبی یا محمد کہہ کر خطاب نہیں فرماتے تو اس صدی کا جاہل اور گستاخ ملا کیونکر یا محمد کہہ کر خطاب کر سکتا ہے؟ جو حضرات! اساں یا محمد کہنا اے۔ اینہاں نجدیاں سڑ دے رہنا ایے، اس قسم کے اشعار پڑھتے ہیں۔ وہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ انہیں رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہیں ہے

اصلی کارخیر یہ ہے کہ معاوضے کی تمنا کے بغیر دوسروں کی مدد کی جائے۔

بلکہ اس طرح وہ بھی بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔آپ ہی سوچیں کہ اگر ایک بیٹا اپنے والد کو نام لے کر آواز دے گا تو سب لوگ اسے بے ادب اور بدتمیز کہیں گے اور اگر وہی بیٹا ابا جی کہہ کر خطاب کرے گا تو لوگ اسے باادب اور سلیقہ شعار قرار دیں گے اور طرح اگر ایک شاگرد استاد کو نام لے کر بلائے گا تو لوگ اسے بدتمیز کہیں گے اور اگر استاد جی کہہ کر خطاب کرے گا تو اسے باادب قرار دیا جائے گا۔

اِسی طرح اگر ایک امتی یا محمد کہہ کر سرکارِ دوعالم ﷺ کو آوازیں دے گا تو امتی کو بھی گستاخ اور بے ادب قرار دیا جائے گا۔ جو لوگ سرکارِ دوعالم ﷺ کو نام لے کر دور نزدیک سے آوازیں لگاتے ہیں۔شریعت مصطفوی میں ان کے متعلق قرآن نے اس طرح فیصلہ فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (سورۃ حجرات) ''جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے''۔

جب حجرات سے باہر کھڑے ہو کر محمد ﷺ کہہ کر آوازیں لگانا درست نہیں ہے تو پاکستان اور دیگر مقامات سے اس طرح ندا کرنا کس طرح درست قرار دیا جائے گا۔

حضرات! اس ساری بحث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو نام لے کر خطاب نہیں کیا جا سکتا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں آپ کی صفات بیان کرنے سے پہلے آپ کو یَاَیُّھَاالنَّبِی کے معزز خطاب سے نوازا۔

شاہداً کا مفہوم: ارشاد ہوا کہ اے نبی ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے اس پہلی صفت میں جو لفظ شاہد بولا گیا ہے۔ اس کا معنی حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے ''بتانے والا'' کیا ہے۔اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ دلائل توحید بیان کرنے والے تھے۔اس طرح شاہد کا مفہوم متعین ہو جانے سے کوئی اشکال نہیں باقی رہتا۔اس کی صحیح تفسیر وہ ہے جو بخاری شریف اور ترمذی شریف میں منقول ہے۔سرکارِ دوعالم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو اکٹھا کرے گا اور تمام انبیاءؑ کو بھی جمع کیا جائے گا تو کافروں پر اتمام حجت کے لیے انبیاءؑ سے سوال کیا جائے گا۔ مثلاً حضرت نوحؑ سے سوال کیا جائے گا کہ آپ نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی؟

آپؑ عرض کریں گے، ہاں میں نے ان کو تبلیغ کی تھی۔ اس کے بعد پھر حضرت نوحؑ کی امت سے سوال ہوگا کہ نوحؑ نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ حضرت نوحؑ کی امت انکار کر دے گی کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ حضرت نوحؑ سے فرمائیں گے کہ اے نوحؑ آپ کا کوئی گواہ ہے؟ حضرت نوحؑ عرض کریں گے کہ یا اللہ میری گواہ حضرت محمد ﷺ کی امت ہے۔اس پر وہ لوگ کہیں

تاریکی کو کوسنے کی بجائے یہ بہتر ہے کہ ایک ننھا سا دیا ہی روشن کر دیا جائے۔

گے کہ یہ تو ہمارے زمانے میں موجود نہیں تھے۔ اس لیے گواہ کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس پر امت محمدیہ جواب دے گی کہ ہم نے قرآن کریم پڑھا ہے جس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت نوحؑ اور دیگر انبیاءؑ نے تبلیغ فرمائی تھی اور ہمارے نبی مکرم ﷺ نے بھی ہمیں اس طرح فرمایا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ انہوں نے تبلیغ فرمائی ہے تو ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے اور دیگر انبیاءؑ نے سچ کہا ہے۔ جب امت محمدیہ گواہی دے چکے گی، تو پھر سرکارِ دوعالم ﷺ اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے اور آپ گواہی دیں گے کہ انہوں نے سچ کہا ہے۔(بخاری)

چنانچہ قرآن پاک میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (سورہ بقرہ) ’’تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تمہارے اوپر گواہ ہو۔‘‘

مبشراً کی توضیح: صفت شاہد کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت مبشراً بیان فرمائی ہے، اس کے متعلق حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ آپ ایمانداروں کو جنت کی بشارت دینے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ قرآن وحدیث میں کثرت سے اس کی مثالیں ملتی ہیں، کہ آپ نے ایمان باللہ اور اعمال صالحہ کرنے والوں کے لیے جنت کی بشارت دی ہے۔

نذیراً کی توضیح: جس طرح قرآن نے آپ کو مبشراً کی صفت سے نوازا ہے اسی طرح نذیراً کی صفت سے بھی معزز فرمایا ہے۔ نذیراً کے معنی ڈرانے والے کے ہیں، گویا کہ آپ اپنی امت کو جہاں بشارات خداوندی اور عنایات ربانی کی خوشخبری سناتے ہیں۔ وہیں پر آپ اُمت کو خداوند قدوس کے عذاب اور احتساب سے ڈرانے والے بھی ہیں، چنانچہ قرآن وحدیث میں سیکڑوں ایسے واقعات ومثالیں موجود ہیں جن میں آپ نے امت کو خدائی عذاب سے ڈرا کر اعمال صالحہ کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سرور کائنات محمد ﷺ کی پیروی اور اتباع کامل کی توفیق عنایت فرمائے، مفسرین کرام نے نذیراً سے مراد کفار کو عذاب خداوندی سے ڈرانے والا بھی مراد لیا ہے۔

داعِی اِلی اللہ: مبشر ونذیر میں آپ کے داعی الی اللہ ہونے کی ابتدائی صفات کا تذکرہ کر کے اب آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے اصل اور حقیقی کام کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ ہم نے آپ کو اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ پرہیز گار بن جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کا کام اپنی عبادت کرانا یا اپنے سجدے کرانا اپنے آپ کو خدائی اختیارات کا مالک منوانا یا الوہی صفات کا

جو شخص جتنا اچھا ہوتا ہے اس کے دشمن اور حاسد اتنے ہی کم ہوتے ہیں۔

حامل بتلانا نہیں ہوتا، بلکہ پیغمبر کا کام تو سب سے رشتہ توڑ کے رب سے جوڑنا مقصود ہوتا ہے خود اپنی زندگی کے متعلق پیغمبر سے اعلان کرایا گیا کہ ''تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے جو پالنے والا سارے جہاں کا ہے۔کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں اِن آیات بینات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی دعوت کا اصل مقصد دعوت الی اللہ ہوتا ہے۔ پیغمبر کسی مقام پر لوگوں کو اپنی پوجا کی دعوت نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انبیاءؑ کے مقصد حیات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سراجاً منیراً: پانچویں صفت آپ کی ''سورج روشن کرنے والا'' بیان فرمائی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: سراج منیر کے معنی یہ ہیں کہ اے پیغمبر تمہارا معاملہ لائی ہوئی شریعت کے بارہ میں ایسا نمایاں اور واضح ہے یعنی تم اپنے امر میں ایسے روشن اور کھلے ہوئے جو جیسے سورج اپنی چمک میں نمایاں ہوتا ہے کہ معاند کے سوا کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سورج کے ساتھ تشبیہ دے کر آپ کی نبوت کا عمومی فیض بیان کیا گیا ہے، جس طرح آسمانوں کو سورج کے بعد کسی روشنی کی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح اس آفتاب نبوت کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت باقی نہ رہی اس طرح آپ کی ختم نبوت کا مسئلہ بھی بیان فرما دیا گیا۔

نور یا نور گر: اس صفت منیر سے معلوم ہوا کہ آپ صرف خود ہی روشن نہیں بلکہ نبوت کی ضیا اور ہدایت سے پورے عالم کو روشن کرنے والے ہیں۔آپ نہیں آئے تھے تو ابوبکر ابن قحافہ تھے۔مگر جب آپ تشریف لائے اور ابوبکر نے آپ سے رشتہ جوڑا ابوبکرؓ بن گئے۔سراج منیر نے آپ کی نبوت کی روشنی سے صدیق بنا دیا۔جب تک آپ سے حضرت عمرؓ کا رشتہ نہیں جڑا تھا۔اس وقت تک آپ عمر بن خطاب تھے۔مگر جب آپ سے تعلق قائم ہوا تو آپ فاروق اعظمؓ بن گئے حضرت عثمانؓ ذی النورین بن گئے۔اور علی المرتضیٰؓ اسد اللہ بن گئے۔ یہ سب اعزاز آپ کے ساتھ تعلق جوڑنے سے نصیب ہوئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

حضرات: اس تمام بحث سے آپ کو روز روشن کی طرح آشکار ہو گیا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان پانچ صفات سے متصف فرما کر ایک عظیم الشان محبوبیت اور مخلوق میں شان یکتائی عطا فرمائی ہے دنیا کا کوئی ولی اور کوئی قطب، ابدال، غوث، مجدد اور کوئی نبی بھی آپ کے درجہ اور مقام رفیع کو نہیں پہنچ سکتا۔

وآخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العالمین

★...★...★

کوئی آدمی پہلے سے کسی چیز کا ماہر نہیں ہوتا، محنت سے مہارت آجاتی ہے۔



رحمت دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ

محمد امیر افضل اعوان

خالق کائنات کی طرف سے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیاء کرام مبعوث فرمانے، 3 آسمانی کتابیں اور لاتعداد صحیفے نازل کئے جانے کے باوجود یہاں بنی اسرائیل جیسی سرکش اور اسی قبیل کی دیگر نافرمان قوموں کی وجہ سے دنیا ابھی تک جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ خالق کائنات نے نبی نوع انسان کو راہ راست پر لانے کے لیے سلسلہ نبوتِ ختم کرتے ہوئے سرور کائنات محمد مجتبیٰ ﷺ کو اپنا آخری رسول ﷺ بنا کر بھجوایا اور الہامی کتابوں کے نزول کا سلسلہ بھی موقوف کرتے ہوئے قرآن مجید نازل فرمایا، بلاشبہ رسول اکرم ﷺ کی دنیا میں آمد کے ساتھ ہی جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور انسان کو اس کی عظمت حقیقی سے آشنائی میسر آئی، ربیع الاول کا مہینہ اس لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں سرور کائنات، پیکر حسن و جمال، رحمت مجسم پیغمبر اعظم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، ربیع الاول کی نو تاریخ عالم الفیل بمطابق 22 اپریل 571ء سوموار کا دن تھا، وقت صبح صادق اور موسم بہار کا تھا، رات کی ظلمتیں چھٹ رہی تھیں، دن کا اجالا ہر سو پھیل رہا تھا ایسے عالم میں بنی انسان کا مقدر سنور نے والی ایک عظیم المرتبت ہستی دنیا میں نزول پذیر ہوئی کہ جس کا نہ کوئی پہلے ثانی گزرا اور نہ ہی تا ابد اور کوئی آئے گا۔

تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالیں تو بخوبی احساس ہوتا ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری سے قبل پوری دنیا کفر وضلالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی اور لوگوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی، معاشی اور معاشرتی زندگی موت سے بھی بدتر تھی، ہر طرف کفر ہی کفر تھا، شرافت، دیانت، شرم و حیا، انصاف، محبت و اخوت، چادر اور چاردیواری کے تقدس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی، ہر جانب جہالت پنجے گاڑے ہوئے تھی اور عملاً جنگل کا قانون نافذ تھا جس کی وجہ سے زنا، شراب، چوریاں، ڈکیتیاں، لوٹ مار سمیت طرح طرح کے ظلم وستم کا بازار گرم تھا بالخصوص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا ان تمام برائیوں میں سرفہرست تھا، چاند، سورج، نجوم، کواکب، جنات اور آگ کی پرستش اور بت پرستی عام تھی یہاں تک کہ بیت اللہ میں سینکڑوں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی، الغرض یہ کہ

کوئی آدمی پہلے سے کسی چیز کا ماہر نہیں ہوتا، محنت سے مہارت آ جاتی ہے۔

عرب کے لوگ اپنے افعال وہ کردار کے لحاظ سے انتہائی پستی میں تھے۔

دنیا تباہی کے دھانے پر پہنچ چکی تھی کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا اور نسل آدم بالخصوص جہنم کے کنارے پر پہنچنے والے اہل عرب کی اصلاح اور نجات کے لیے حضرت محمد ﷺ کو نبی بنا کر دنیا میں بھیجا تا کہ انسان کو راہ راست پر لایا جا سکے، قرآن کریم میں اس حوالہ سے ارشاد ربانی ہے کہ: ''(اے محمد ﷺ) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ﷺ) وہ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے تو خدا پر اور اس کے رسول پیغمبر ﷺ پر ایمان لاؤ جو خدا پر اور اسکے (تمام) کلام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کریں تا کہ ہدایت پاؤ۔'' (سورۃ الاعراف: ۱۵۸)

یہ آیت سید عالم ﷺ کی عالمگیر رسالت کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ تمام خُلق کے رسول ﷺ ہیں، بخاری و مسلم کی حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں پانچ چیزیں مجھے ایسی عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ ملیں۔ (۱) ہر نبی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں سُرخ و سیاہ کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ (۲) میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے نہیں ہوئی تھیں۔ (۳) میرے لیے زمین پاک اور پاک کرنے والی (قابل تیمم) اور مسجد کی گئی جس کو کہیں نماز کا وقت آئے وہیں پڑھ لے۔ (۴) دشمن پر ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد فرمائی گئی۔ (۵) اور مجھے شفاعت عنایت کی گئی۔ مسلم شریف کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ تمام خلق کی طرف رسول ﷺ بنایا گیا اور میرے ساتھ انبیاء ختم کیے گئے۔

نبی کریم ﷺ کی شان بارے قرآن کریم میں خالق کائنات خود ارشاد فرما ہے کہ: ''یقینا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے''۔ (سورہ الاحزاب)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ ''اللہ نے اسماعیلؑ کی اولاد سے کنانہ کو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو پسند فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا''۔ (مشکوٰۃ)

اللہ پاک خود نبی کریم ﷺ کی شان رسالت بارے قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ''وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کرے، اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہی دینے والا''۔ (سورۃ الفتح)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا کہ ''(اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو سچائی کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہل دوزخ کے بارے میں تم سے کچھ پرسش نہیں ہوگی''۔ (سورہ البقرہ)

یہاں آپ ﷺ کی نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کا کام

بے کار مت بیٹھو اس سے زندگی کی مشکلات بڑھتی ہیں۔

صرف اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دینا ہے، اب اگر لوگ ایمان نہیں لاتے اور دوزخ کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کچھ الزام نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتے ہوئے قرآن کریم میں ایک اور مقام پر خود خالق کائنات ارشاد فرما ہے کہ: ''(اے آدم زاد) تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال کی) وجہ سے ہے اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تم کو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور (اس بات کا) خدا ہی گواہ کافی ہے۔ (سورۃ النساء: آیت ۷۹)

اللہ رب العزت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رسالت اور قرآن پاک کی اہمیت بارے ایک اور مقام پر ارشاد فرما ہے کہ: ''یہ خدا کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں (اور اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہو''۔ (سورۃ البقرہ: آیت ۲۵۲)۔

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا کہ ''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں جس قبلہ پر تم پہلے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے، گو یہ کام مشکل ہے، مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے ان پر کوئی مشکل نہیں اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال ضائع نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے'' (سورۃ البقرہ: ۱۴۳)

بلاشبہ اس کی گواہی کے بعد کسی اور کی گواہی کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی اور جب اللہ پاک کی گواہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہے تو پھر ایسے بدبختوں کی اس طرح کی دلآزار باتوں کی آپ کو کیا پرواہ ہوسکتی ہے؟ مواصل حقیقت یہی ہے کہ اس دنیا میں اچھی یا بری جو بھی کوئی حالت پیش آتی ہے وہ سب اللہ وحدہ لاشریک ہی کی طرف سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پوری کائنات میں مشیت اسی وحدہ لاشریک کی چلتی ہے کسی اور کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے کہ اس کی پیدا کردہ کائنات میں اس کے ارادے کے ساتھ کسی ار کے ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوسکتا ہے اور اس کا کام اور اسکی شان ہی کرم کرنا اور احسان فرمانا ہے، اور اس نے اپنی اس کائنات کو بنایا ہی اس لیے ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر اپنا کرم واحسان فرمائے۔

خالق کائنات نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاں اور درجات دیئے وہیں انہیں مقام محمود سے سرفراز کرنے کی بھی نوید سنائی۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مقام محمود اور اس کی اہمیت وخصوصیت) کیا

ہے؟ جس کا اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور رات کے کچھ حصے میں تہجد بھی پڑھا کرو جو کہ آپ کے لیے ایک زائد عبادت ہے، بعید نہیں کہ آپ کا رب آپ کو سرفراز فرمادے مقام محمود سے ۔ (سورۃ الاسراء:۷۹) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس دن (کہ جب مجھے یہ مقام محمود عطا ہوگا) اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر نزول جلال فرمائے گا اور وہ کرسی چرچرائے گی جیسا کہ نئے چمڑے کی تنگ زین چرچراتی ہے اور اس کرسی کی کشادگی و وسعت اتنی ہے جتنی کہ زمین وآسمان کی درمیانی فضاء پھر تم سب کو برہنہ پاؤں ننگے بدن اور بے ختنہ (میدان حشر) میں لایا جائے گا اور اس دن سب سے پہلے جس شخص لباس پہنا جائے گا وہ حضرت ابراہیمؑ ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ (فرشتوں کو) حکم دے گا کہ میرے دوست کو لباس پہناؤ، اور جنت کی چادروں میں سے ملائم کتان کی دو سفید چادریں لاکر حضرت ابراہیمؑ کو پہنائی جائیں گی، ان کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا اور پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور (یہ اعزاز ملنے پر) اگلے پچھلے تمام لوگ مجھ پر رشک کریں گے۔" (مشکوۃ شریف، جلد پنجم، حدیث:۱۶۴) اس حدیث میں "پروردگا کی کرسی" کی کشادگی و وسعت کو بیان کرنے کے لیے زمین وآسمان کی درمیانی فضا کی مثال دی گئی ہے۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆......☆

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وہ خوش قسمت ہیں جو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لو لگاتے ہیں
غموں کی چلچلاتی دھوپ میں بھی مسکراتے ہیں
جہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھے تھے پاکیزہ قدم
وہاں پر آج بھی ارض و سما آنکھیں بچھاتے ہیں
رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت تو ہم کو یاد رہتی ہے
ہیں فرماں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو، ہم وہ اکثر بھول جاتے ہیں
بجھے دل زائروں کے ہی سمجھ سکتے ہیں اس غم کو
بچھڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در سے وہ کیسے لوٹ آتے ہیں
مدینہ دیکھنے کو جب تڑپتا ہے یہ دل میرا
تو پھر اشکوں کے دریا بھی بہت ہلچل مچاتے ہیں
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہر انور میں نے دیکھا تھا بہت پہلے
حسیں منظر نظر میں اس کے اب بھی جگمگاتے ہیں
دعا ہے کہ یہ حسرت جلد پوری مروتؔ کی
سنے مژدہ یہ، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے در پر بلاتے ہیں

(مروت احمد)

جتنی محنت کرو گے اتنا صلہ پاؤ گے۔



حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوئہ کامل

''تمام جہانوں کیلئے رحمت''

حافظ محمد لیاقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سرور دو عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہر اس انسان کے لیے اسوۂ حسنہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس سرچشمہ سے بے خطا رہنمائی مل سکتی ہے اور یہ ہی دارین کی سعادت کا ذریعہ ہے۔ اس دارِ فانی میں بڑے بڑے اہل فکر، دانش ور اور مصلحین پیدا ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا ہمہ صفت کامل راہنما نہیں مل سکا۔ تاریخ کے ہر دور اور ہر قوم میں اللہ کے رسول آئے اور انسانیت کو راہ ہدایت دکھاتے رہے۔ دنیا کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا صدیوں سے انتظار تھا۔ رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے یہ طویل انتظار ختم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ثابت ہوئے اور رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث کیے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت آخری شریعت قرار پائی۔ اس نے سب سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی ہی سب کے لیے اور تا قیامت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔''

ماہِ ربیع الاول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور وصال کا بھی مہینہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری انسانیت کے لیے تا قیامت اسوۂ کامل اور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ اللہ کے تمام پیغمبروں نے اللہ کے دین کی دعوت دی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیامبر دعوت کے ساتھ ساتھ پیغمبر انقلاب بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً وہ انقلاب برپا کر دیا جس کی مثل تاریخ انسانی میں نہ پہلے تھی نہ آئندہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُمتیوں کے عشق و محبت سے مراد فقط جذبات عقیدت و ارادت نہیں، تقلید و اتباع بھی اس کا ضروری جزو ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے پوری طرح فیض یاب ہونے کے لیے ان کی زندگی کو چراغ راہ بنانے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی و اخلاقی اور عملی خوبیاں اخذ کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

کتاب و سنت اساس دین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اور حیات طیبہ ہماری راہنمائی کرتی ہے۔ رسول اللہ کے نظام تربیت میں ان کے اُمتیوں کے لیے اخلاق و کردار کی سربلندی، اُخروی آبیاری و نشو و نما کا پہلا زینہ ہے۔ سیدنا

مصروف انسان کے پاس آنسو بہانے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ ان کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ دو چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب اور میری سنت۔ یہ دونوں جدا نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ حوض کوثر تک آئیں گی۔'' یہ قرآن وسنت ﷺ ہی ہے جن کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے تو راہ راست سے نہیں بھٹک سکتے۔ یہ دونوں دین کے بنیادی مآخذ ہیں۔ یہ ہدایت کے وہ سرچشمے ہیں جن سے قیامت تک راہنمائی حاصل کی جاتی رہے گی اور اختلافات میں رجوع کیا جاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا ہے۔ ''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول اللہ ﷺ کی اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

(سورہ محمد: ۳۲) ارشاد ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ آپ ﷺ کی سنت یا آپ ﷺ کی تعلیمات ہی دین کی اساس ہیں۔ دونوں کے ذریعے دین کی تکمیل ہوتی ہے۔

محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اب نہ تو کوئی رسول آئے گا اور نہ ہی کسی سابق رسول کی اتباع جائز ہوگی۔ جو شخص آپ ﷺ کو رسول مانتا ہے۔ لیکن آخری رسول نہیں مانتا وہ حقیقت میں آپ کی رسالت کا آدھا اقرار اور آدھا انکار کرتا ہے اور یہ چیز انکار کے ہی ہم معنی ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت کے دو جزو ہیں۔ ایک آپ کا رسول ہونا اور دوسرا آپ کے ذریعے رسالت کا ختم ہونا۔ قرآن کریم نے صاف اور واضح اعلان کر دیا ہے کہ رسالت کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا وہ آپ تک پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں''۔ (الاحزاب ۳۳:۴۰)

ختم نبوت کا اعلان حقیقت میں اس بات کا اعلان ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت عالم گیر رسالت ہے۔ آپ ﷺ صرف اس دور کے پیغمبر نہیں ہیں جس میں آپ ﷺ پیدا ہوئے ہیں بلکہ ہر دور میں آپ ﷺ کی اتباع فرض ہے۔ حق غلبہ کے لیے اور باطل مٹنے کے لیے ہے۔ آج کے دور میں انسانوں کو غلام بنانے کے انسانی نظام ناکام ہیں، دعوت دین اور اسلام کے کامل ضابطہ حیات ہونے سے زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی بالکل عیاں ہو رہی ہے۔ اسی لیے مغربی مفکرین، پالیسی ساز، لادینیت کے پرچارک پریشانی کے عالم میں عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت ﷺ پر حملہ آور ہیں، توہین وتضحیک کا ہر حربہ استعمال کچھ حاصل کرنے کے لیے ہمہ وقت مصروفیت ضروری ہے۔

کیا جا رہا ہے لیکن اہل ایمان بے شمار کمزوریوں اور بے عملی کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے عشق و محبت سے سرشار رہیں۔ اس لیے ان شیطانی حربوں کے سدباب کے لیے احتجاج ،قوانین کی حفاظت، عالمی قوانین میں ترامیم کے ذریعے تحفظ کی کوششیں ناگریز ہیں۔ راہ نجات صرف آپ ﷺ کی پیروی میں ہے۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ وخاتم النبیین ﷺ کی بتائی ہوائی راہ پر استقامت سے عمل کرے۔

اُمت رسول اللہ ﷺ کی آج دنیا میں کثیر تعداد ہے لیکن ''وہن'' کی بیماری نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ اُمت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ کشمیر، فلسطین، شام، یمن، عراق، افغانستان اور میانمار میں مسلمان کسمپری اور مظلومیت کا شکار ہیں۔ عالم اسلام عموماً اور اس کی قیادت خصوصاً ہر سطح پر بے حسی اور لاپروائی کا شکار ہے، جبکہ استعمار اور ملت کفر متحد ہو کر اُمت رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہے۔ پاکستان عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز ہے، اسے اللہ نے ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔ اقامت دین کے تمام اعشاریے بھرپور طاقت کے ساتھ موجود ہیں لیکن غربت، ذلت، بداخلاقی و بے حیائی، قومی وسائل کی لوٹ مار اور کرپشن غالب ہے۔ کلمہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی جس مملکت خداداد کو مثالی اسلامی ریاست ہونا چاہیے تھا وہ آج تنزلی کی بدترین مثال ہے۔ قیام پاکستان کے لیے دی جانے والی پاکیزہ قربانیوں کو بھی فراموش اور ملیامیٹ کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے بگڑے ہوئے معاشرے میں دعوت دین اور اللہ کی توحید کو عام کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو مخالفتوں کا آغاز ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں شدت آتی گئی آپ ﷺ اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کو ناقابل بیان اذیتیں پہنچائی جانے لگیں، حضرت بلالؓ کو تپتی ریت پر لٹایا جاتا، حضرت عمارؓ پر اس قدر ظلم و تشدد کیا گیا کہ زبان سے اللہ واحد کا نام لینا مشکل ہو گیا ان کے والد یاسر کو بڑی آزمائش اور اذیتوں کا سامنا رہا، ان کی والدہ سمیہؓ کو ابوجہل نے خنجر مار کر ہلاک کر دیا، حضرت خبیبؓ کو انگاروں پر لٹا دیا جاتا۔ پوری پیٹھ پر آبلے پڑ جاتے اور جسم کے بوجھ سے آگ ٹھنڈی ہوتی۔ خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا گیا۔ ہجرت حبشہ، شعب ابی طالب میں محصوری، طائف کا سفر، حالات خراب سے خراب تر ہونے لگے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی سعی و جہد جاری رکھی تا کہ آنکہ ہجرت مدینہ کا مرحلہ آ گیا۔ کفار نے دعوت دین اور اہل دین کو مٹانے کے لیے طاقت، قوت، ترغیبات اور جنگوں کا تسلط کیا۔ لیکن یہ پاکیزہ جدوجہد جاری

کام میں کھیل تماشے سے زیادہ دل لگی ہوتی ہے۔

رہی عظیم کامیابی کی منزل سن 6 ہجری میں فتح مکہ کی صورت میں حاصل ہوئی۔ اس عظیم واقعہ فتح مکہ سے کفر شکست کھا گیا، ہتھیار ڈال دیئے گئے اور سارا عرب زیرنگین آ گیا۔ آج بھی اقامت دین، نظام اور قیادت کی تبدیلی کے راستہ میں عالمی استعمار، لادین قوتیں مال و دولت اور طاقت کے ساتھ ہر رکاوٹ کھڑی کر رہی ہیں، مایوسی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار اور افکار کو ذرائع ابلاغ مادر پدر آزادی، اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کا شکار کیا جارہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اسوہَ سے صرف نظر کر کے نہیں بلکہ مکمل تقلید اور سنت نبوی ﷺ کی پیروی سے ہی قسمت سنورے گی اور حالات بدلیں گے اسی کے نتیجے میں ہم رحمت ایزدی کے امیدوار ہوں گے۔ ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کو بھی بدلنا ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ کی روحانی اور اخلاقی خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ آپ ﷺ کی تقلید بھی کی جائے تب در کھلے گا۔ محض لباس اور وضع قطع کا بدلنا ہی مطلوب نہیں اور نہ ہی روایتی مسلمانوں کی طرح اخلاق نبوی ﷺ سے فقط ایک دو باتیں اخذ کر کے اسوہَ نبوی ﷺ اور تعلیمات اسلامی سے بالکل بیگانگی برتی جائے بلکہ رسول اللہ ﷺ زندگی کے تمام پہلوؤں اور اُن کی ساری روحانی اور اخلاقی خوبیوں کا مکمل اتباع ہونا چاہیے۔ قول و فعل اور گفتار و کردار میں رسول اکرم ﷺ کا ایمان کامل، تدبر، حلم، حوصلہ، استقلال، جہدِ مسلسل، انصاف پسندی، بے لوثی اور استغنا سے مسلمانوں کو جزوِ زندگی بنانے کی سعی کرنی چاہیے۔ موجودہ دور اطلاعات، ذرائع ابلاغ، جدید اور تیز ترین الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اخلاق، کردار اور ذہنی یکسوئی کو ختم کر کے ہیجانی کیفیت مسلط کر دینا چاہتا ہے۔ اس صورت حال سے محفوظ رہنے اور اقامت دین کی ہمہ گیر جدوجہد کا مسلسل حصہ بنے رہنے سے ہی خلافت الٰہیہ کی بلندی پر ہم پہنچ سکتے ہیں۔ قرآن سے جڑ جائیں کہ مسلمانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت یہی کتاب ہے۔ قرآن نے ہی ملت اسلامیہ کی بنا رکھی ہے اور سنت رسول ﷺ نے اسے کامل عمارت کی شکل میں ڈھالا ہے۔ ملت اسلامیہ کے لیے سیرت رسول اللہ ﷺ کی ہر لمحہ پیروی ناگریز ہے۔

☆......☆......☆......☆

{نعت رسول مقبول ﷺ}

ذکر کیسے ممکن ہے شاہ دیں ﷺ کی عظمت کا
حق ادا کیا جائے کیسے اُن ﷺ کی مدحت کا
التجا یہ ہے یا رب راہ سے نہ بھٹکوں میں
میں سدا رہوں پیرو شاہ دیں ﷺ کی سنت کا
زندگی میں رعنائی آپ ﷺ کی بدولت ہے
درس ہم کو ملتا ہے آپ ﷺ سے محبت کا
یوم حشر ہم ہوں گے مصطفی ﷺ کے سائے میں
انتظار ہے ہم کو اب تو بس قیامت کا
اے ندیمؔ میں سچ مچ خوش نصیب ہوں کتنا
ہے شرف کہ ہوں میں بھی فرد اُن ﷺ کی امت کا

(ریاض ندیم نیازی)



12 ربیع الاوّل 12 اسباق

نوید اسلام صدیقی

محبوبِ خدا، نورِ مجسم، ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ پر لاکھوں درود و سلام ہوں۔ آپ کی زندگی سے اخذ کردہ ۱۲ پُر اثر باتوں کا ماجرا آج کے مایوس، نا امید اور بے بسوں کے لیے امید کے روشن دیے۔

یہی زندگی ہے تو دوستو
زندگی کو میرا سلام ہے

ماحول ایسا ہو کہ جس میں ہر طرف اداسی اور بے کیفی محیط ہو، کیا ایسے ماحول میں رہنا زندگی ہے؟ جہاں مایوسی، تلخی، فکر اور پریشانی کے جذبات دماغ میں ہر وقت ہلچل پیدا کرتے رہیں کیا وہاں رہنا زندگی ہے؟ جہاں طبیعت ہر وقت بغاوت پر آمادہ رہتی ہو کیا وہاں رہنا زندگی ہے؟ جہاں انسان بے دوستوں، دنیا دار لوگوں اور غیر مخلص رشتہ داروں کی جفا کیشیوں کو ہر وقت یاد کر کر کے کُڑھتا رہے کیا وہ زندگی ہے؟ جہاں انسان طرح طرح وسوسوں میں گرفتار ہو اور جینے کی تمنا ختم ہوتی جائے۔ کیا زندگی کا مقدر جہالت، بیماری، تنگ نظری، زوال پذیری، خوف زدگی، نفرت اور بے چارگی ہی ہے......؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے، ہم سب کے لیے لیے ایک در ہر وقت کھلا ہے، ہر وقت امید کا چراغ روشن ہے۔ مصطفیٰ ﷺ جان رحمت پر لاکھوں سلام، وہ ہم کو ایک ایسا راستہ دکھا گئے جہاں چراغاں ہی چراغاں ہے۔

۱۲ ربیع الاول آپ ﷺ کا یوم پیدائش ہے۔ اس مبارک دن کے موقع پر آپ کے لیے ہم نے ۱۲ باتیں چُنی ہیں جو آپ کی زندگی کو خیر اور خوشی سے ہمکنار کر سکتی ہیں۔ آیئے ان اسباق کی روشنی میں اپنی زندگی کی تلخیاں کم کرنے کی کوشش کریں۔ یاد رکھیں ہر دور میں ہر فرد نے اپنی زندگی کے اندھیروں کو امید اور حوصلے کے چراغوں سے خود ہی روشن کرنا ہوتا ہے۔

۱- منفی کو مثبت بنا کر زندگی کو تلخ ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ ہماری اس زندگی میں ہر روز اچھے اور بُرے بے شمار واقعات ہوتے ہیں اور ہم ان واقعات کو سب سے بیان بھی کرتے ہیں۔ کبھی کوئی واقعہ انوکھا ہو تو ہم اس کی شرح بھی کرتے ہیں یا کسی سے اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ تلخ واقعات پیش آنے پر ہم اُن واقعات کو بار بار دُہراتے رہتے ہیں اور ہم سے اگر نازیبا بات

جب تک تم کوشش نہ کرو تم نہیں جانتے کہ تم کیا کچھ کر سکتے ہو۔

کہہ دے یا ہمارے ساتھ کوئی بدنما واقعہ پیش آ جائے تو ہم اس کا ذکر بار بار کر کے اس واقعے کو پہلے اپنے ذہن میں بسا لیتے ہیں اور پھر اپنی زندگی کا بوجھ بنا لیتے ہیں۔

زندگی میں جب بھی کوئی منفی واقعہ پیش آ جائے، کوئی آپ سے نامناسب بات کہہ دے یا کوئی شخص کسی قسم کی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے تو اس واقعہ کو ایک اچھی تعبیر دے دیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو ایک خط بھیجا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ حضورؐ کا سفیر آپ کا گرامی نامہ لے کر ایرانی بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور اسے خط دیا۔ اس نے آپؐ کے مکتوب کو پڑھ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور کہا کہ اس سفیر کو مٹھی بھر خاک دے دو، یہ خاک وہ خط بھیجنے والے کو پہنچا دے۔ سفیر واپس مدینہ منورہ آیا اور ایرانی دربار کی روداد سنائی تو تمام صحابہ کرام آزردہ ہو گئے۔ لیکن حضور اکرمؐ نے فرمایا "مبارک ہو! اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور اس نے اپنی زمین خود تمہیں دے دی ہے۔ اب تم ایران فتح کرو گے اور خسرو پرویز کے کنگن سراقہؓ پہنے گا۔" اور پھر ایسا ہی ہوا۔ خسرو پرویز کی سلطنت ٹوٹ گئی، ایران فتح ہوا۔ خسرو پرویز مارا گیا اور اس کے کنگن حضرت سراقہؓ کو دیئے گئے۔

۲- غصہ کا جواب تحمل اور بردباری: مکہ میں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں گئے اور خانہ کعبہ کے کلید بردار سے خانہ کعبہ کا تالا کھولنے کے لیے کہا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ آپؐ نے اس پر غصہ کیا نہ احتجاج کیا اور نہ ہی کسی سے شکایت کی بلکہ آپؐ نے تحمل اور سکون کے ساتھ صرف اتنا فرمایا "ایک دن آئے گا کہ تم یہ چابیاں مجھے پیش کرو گے اور میں جسے چاہوں گا دے دوں گا۔" اور پھر فتح مکہ کے موقع پر بالکل ایسا ہی ہوا، اس شخص کو خانہ کعبہ کی چابیاں حضورؐ کی خدمت میں پیش کرنا پڑیں۔ آپ ہمیشہ غصہ کو کنٹرول کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ رسول پاکؐ نے ایک صحابی کو تین بار لا تغذب (تو غصہ نہ کر) کے الفاظ کہے۔ آپؐ کا فرمان ہے "پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔" (صحیح بخاری)

۳- جھوٹ فرد اور قوم کو تباہ کر دیتا ہے: جھوٹا آدمی کسی دوسرے کے سامنے خود اعتمادی کے ساتھ بات نہیں کر سکتا۔ معاشرہ اُس کے سچ کو بھی جھوٹ سمجھتا ہے۔ ایک جھوٹے آدمی پر تو اس کے اہلِ خانہ بھی بھروسا نہیں کرتے۔ جھوٹ نے بہت سے گھروں کو اجاڑا ہے۔ آدمی سچا ہو تو اُس کی بات میں وزن ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کو اعلان کرتے وقت قریش کو بلا کر فرمایا تھا، میرے ۴۰ سال آپ لوگوں کے

بچوں کی تعلیم شروع کرتے وقت انہیں پہلا سبق دیانتداری کا دو۔

سامنے ہیں، آپ بتایئے کیا میں نے آج تک جھوٹ بولا؟ اہلِ قریش یک زبان ہو کر بولے "ہم گواہی دیتے ہیں آپؐ صادق اور امین ہیں۔" اہلِ قریش کو آپؐ کی بات سننا پڑی اور اُن میں سے اہلِ خیر کے دلوں میں آپؐ کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ بلاضرورت اور محض عادتاً جھوٹ بولتے ہیں اور اکثر حضرات میں یہ عادت اس قدر پختہ ہو جاتی ہے کہ انہیں جھوٹ بولتے ہوئے جھوٹ کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

۴-مایوس نہیں ہونا: کئی لوگ ہر بات اور واقعہ سے مایوس ہو کر دل شکستہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، اور زبانِ حال سے یہی کہتے رہتے ہیں:-

اِک مدت ہوگئی دُکھ جھیلتے
کب فلک ہم پر ستم ڈھاتا نہیں
ہوں کبھی حالات بہتر تو ہمیں
اپنی آنکھوں پر یقیں آتا نہیں

ہمیں ہر وقت یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہر رات کے بعد ایک صبح اور خزاں کے بہار ہے، سو آج اگر اندھیرا ہے تو کل روشنی بھی ہوگی، آج اگر زرد پتے بکھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو کل کھلی ہوئی کلیاں بھی ضرور دکھائی دیں گی:-

ملے جو غم، تو اُس غم کو غمِ پیہم نہیں کرتے
کسی کی بے وفائی کا سدا ماتم نہیں کرتے
اندھیرے نا اُمیدی کے، ڈراتے ہیں، ڈرانے دو
چراغِ آرزو اپنا کبھی مدہم نہیں کرتے
علامت رزم گاہوں میں یہی سربلندی کی
کسی حالت میں اپنے سرنگوں پرچم نہیں کرتے

ایک مسلمان ہر وقت پُرامید رہتا ہے، مایوسی کا اُس کی زندگی میں گزر نہیں ہے۔

حضورؐ اپنے صحابہؓ کو وقتاً فوقتاً روشن مستقبل کی نوید سناتے رہتے تھے تاکہ اُن کے حوصلے جوان رہیں۔ بے حساب مثالیں ہیں، جنگ خندق والا واقعہ تو آپ کو بھی یاد ہوگا۔ اُس وقت مسلمان سخت دباؤ اور اضطراب میں تھے، لیکن حضور ﷺ کو اُس وقت بھی اپنے ساتھیوں کو پُرامید رکھنے کا احساس تھا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں حضرت براءؓ کے ساتھیوں کا ایک سخت چٹان سے سامنا ہوا۔ حضورؐ کے علم میں یہ بات آئی۔ آپؐ نے "بسم اللہ" پڑھ کر کدال سے اُس چٹان پر ایک ضرب لگائی تو ایک ٹکڑا کٹ گیا اور اس سے ایک روشنی نکلی، آپؐ نے فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں اور اس وقت میں اس کے سرخ محل دیکھ رہا ہوں۔" اس کے بعد آپؐ نے دوسری ضرب لگائی اور فتح فارس کی خوش خبری سنائی، پھر تیسری ضرب لگائی اور فتح یمن کی خوش خبری سنائی اور پوری چٹان کٹ گئی۔

۵-ہر فیصلہ غور و فکر کے ساتھ: کامیاب لوگ وہ نہیں ہوتے جو ہمیشہ آنکھیں بند کر کے ایک گھسے پٹے راستے پر دائیں بائیں دیکھے بغیر سیدھے چلے جاتے ہیں۔ راستے میں دیوار تو کیا

اگر کھمبا بھی آجائے تو وہ پہلو سے بچ نکلنے کے بجائے اس کے اوپر سے گزر کر ناک کی سیدھ میں چلتے رہتے ہیں۔ تاریخ ایسے لوگوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہے جو معمولی تعصّبات اور ادنیٰ ترجیحات کے اسیر ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ کشادہ راستے جن کی قسمت میں نہیں ہوتے اور پگڈنڈیوں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔

ہمارے سامنے حضورؐ کی زندگی کے کئی واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی قدم اٹھانے سے قبل کتنی سوچ بچار سے کام لیتے تھے۔ آپؐ نے مکہ جب مدینہ ہجرت کی ہے تو آپؐ اٹھ کر ایک دم مدینہ روانہ نہیں ہو گئے، بلکہ دو تین دن ایک غار میں قیام کیا جو مدینہ جانے کے بجائے دوسری سمت پر تھا۔

کوئی بھی اہم فیصلہ کرنے سے قبل آپ اپنے اصحاب سے مشورہ ضرور کرتے تھے، مثال کے طور پر جنگ خندق سے قبل آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کرنے کے بعد ہی مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ کیا تھا۔

۶-اپنے نفس کو قابو میں رکھنا ہے: زندگی کے کٹھن سفر میں آگے بڑھنے، اپنی اصلاح آپ کرنے اور ترقی حاصل کرنے راستے کبھی مسدود نہیں ہوتے، اُن کے لیے ہر وقت گنجائش باقی رہتی ہے۔ اصلاح اور ترقی کا انسان کی عمر اور صحت سے کوئی تعلق نہیں۔ نفس پر قابو پا کر کامیابی کا در کھولا جا سکتا ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا کہ کامیابی صرف دو قدم کے فاصلے پر ہے۔ جب آپ کا پہلا قدم 'نفس' کے اوپر ہوگا تو دوسرا قدم یقینی طور پر 'کامیابی' کے اوپر ہوگا۔

اپنے وجود ہی سے لڑائی رہی سدا
اپنا یہ ہاتھ اپنے گریباں تئیں رہا

نفس پر قابو پانے کے لیے پیہم جانفشانی اور کوشش کی سنجیدہ ضرورت ہے۔ ایسی کوشش کہ ضبطِ نفس لاشعوری عادت بن جائے۔ کامیابی کا اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ حضور ﷺ صبح نماز فجر کے بعد ایک دعا پڑھتے تھے۔ اُس میں نفس کے بارے میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "اللھم...واجعل فی نفسی نُورا" (خدایا! میرے نفس میں نور پیدا فرمادے)

۷-آزمائشیں اور امتحانات، زندگی کا حصہ ہیں: خدا انسان کو مصائب و آلام کے سمندر میں اس لیے نہیں ڈالتا کہ اسے غرق کر دے بلکہ اس لیے کہ مزید نکھر سکے دل گیر نہیں ہونا چاہیے، اللہ جو کچھ کرتا ہے اس میں اس کے بندے کی بھلائی ہی پوشیدہ ہوتی ہے، پریشانی، تکلیف اور آرام ، سب میں اس کی عنایت اور کرم ہی کارفرما ہوتا ہے۔ مگر نادان بندہ اسے نہیں سمجھتا۔ کبھی پریشانی کی وجہ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے، خالق کو دل کی گہرائیوں سے یاد کرنا چاہیے۔ جذبہ یہ ہونا چاہیے:-

پہنچ ہی جائیں گے منزل پہ اک دن تیرے شیدائی

وہ آدمی ہرگز غفلت کا شکار نہیں جو علم اور تدبیر کے ساتھ کوشش کرتا ہے۔

انھیں راہوں کے پیچ وخم سے گھبرانا نہیں آتا حضورؐ سے زیادہ پریشانیوں اور مصائب کا سامنا کسے کرنا پڑا، مکی زندگی ہو یا مدنی زندگی، نت نئے مسائل نے آپؐ کو گھیرے رکھا لیکن آپؐ نے ہمت اور جوانمردی سے اُن کا مقابلہ کیا۔

۸-شکر، ہر دم شکر: آئیں، ہم ان نعمتوں کو یاد کریں جو خدا نے بن مانگے ہمیں دے رکھی ہیں۔ عہد کریں، آج سے ہم ان چیزوں کا گلہ شکوہ نہ کریں گے جو ہم حاصل نہیں کر پائے۔ ہم اپنے رب کی نعمتوں کو گننے لگیں تو گن نہ پائیں۔ ہمیں سب سے پہلے شکر گزار ہونا چاہیے کہ اُس نے ہمیں ایک خوب صورت اور صحت مند جسم عطا کیا۔ یہ بازو، یہ ہاتھ، یہ ٹانگیں، یہ پاؤں یہ منہ یہ آنکھیں، یہ دماغ اللہ کی کتنی بڑی عنایات ہیں۔ ان میں سے کسی شے کی محرومی انسان کے لیے کتنے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔

پھر خدا کا شکر ادا کر چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک حسین و جمیل ملک عطا کیا، جس میں قدرتی خزانے با افراط ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہم صحیح طریقے سے ان نعمتوں کا فائدہ نہیں اٹھا رہے۔

آدمی غور کرے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بے حساب نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ ضروری نہیں کہ روپے پیسے کی فراوانی، ایک اچھی رہائش اور زندگی کا ٹھاٹھ باٹھ ہی نعمتوں میں شمار ہوں۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں جن کی طرف کبھی ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا، بلکہ ہم انہیں اپنا حق سمجھتے ہیں لیکن جن کی غیر موجودگی یا محرومی پر احساس ہوتا ہے کہ ان کی کیا اہمیت تھی۔

زندگی کی چھوٹی بڑی چیزوں کے لیے احساس تشکّر دراصل ایک ذہنی رویہ ہے جو ہماری زندگیوں کو زندہ رہنے کے قابل بناتا ہے۔ وہ لوگ جو زندگی سے بیزار اور اپنے حالات سے نالاں رہتے ہیں انہیں چاہیے کہ اپنی زندگی کا موازنہ اپنے سے کم خوش نصیب لوگوں سے کر کے دیکھیں۔ چھوٹی سے چھوٹی معمول کی باتوں کے لیے اپنے پیدا کرنے والے کا شکر ادا کریں۔ کہتے ہیں اللہ کو اپنے شکر گزار بندے پسند ہیں۔ وہ ان کے لیے اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے لیکن اس شکر گزاری کا پہلا اور بنیادی فائدہ آپ کو فوراً حاصل ہو جاتا ہے کہ آپ کے دل میں ایک نرم اور خوش گوار سا احساس جنم لیتا ہے۔ آپ خود کو پہلے سے بہتر محسوس کرتے ہیں۔

حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ جب آپؐ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں پھر آپؐ اتنی زیادہ عبادت کیوں کرتے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا، کیا میں اُس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

۹-دعا رحمت کے دروازے کھول دیتی ہے: ہمارے مقاصد و مطالب بلکہ ساری مخلوق کے مقاصد و مطالب کی کنجیاں اس کے پاس ہیں اور وہ سب سے بڑا جواد، سب سے بڑا کریم و رحیم اور سب سے بڑا سخی ہے۔ سوال کرنے سے پہلے

ذہانت ایک ایسا نادر پودا ہے جو محنت کے بغیر نہیں اُگتا۔

بندوں کی امیدوں سے زیادہ ان کو دیتا ہے، بندوں کے قلیل سے قلیل عمل سے وہ خوش ہوتا ہے اور اسے بڑھا دیتا ہے، بندوں کی خطاؤں لغزشوں کو معاف کرتا ہے اور محو کردیتا ہے، آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوق اس کے سامنے احتیاجات پیش کرتی ہیں، اس کی شان ہی کچھ عجیب وغریب ہے، وہ سب کی سنتا ہے ،سب کو دیتا ہے، کسی کو بھول نہیں جاتا، سائلین کی کثرت نہ اسے پریشان کرتی ہے، نہ اسے اس سے کوئی مغالطہ ہوتا ہے۔

دعا کرنے والے انسان کا رشتہ بلاواسطہ خالق کائنات سے جڑا ہوتا ہے۔ یہ احساس کہ میں اتنی بڑی ہستی سے جب چاہوں بات کرسکتا ہوں انسان کے اندر خوداعتمادی اور حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: بندے کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے بشرطیکہ کسی گناہ یا قطع تعلق کی دعا نہ کرے اور جلد بازی سے کام نہ لے۔لوگوں نے پوچھا،''اے اللہ کے رسولؐ! جلد بازی کا کیا مطلب ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''دعا کرنے والا یوں سوچنے لگتا ہے کہ میں نے بہت دعا کی لیکن قبول نہیں ہوئی۔ پس وہ تھک جاتا ہے اور دعا کرنی چھوڑ دیتا ہے۔''

۱۰-رزق حرام سے بچیں: جس آدمی کے پیٹ میں رزق حرام داخل ہوجائے اس کا ذہنی سکون تباہ ہوجاتا ہے، وہ حقیقی خوشی سے محروم رہتا ہے ۔جس گھر میں داخل ہوجائے اُس گھر سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔رزق حرام سے اپنے آپ کو بچائیں۔انسان کے نصیب میں جو رزق ہے وہ اُس کے پیدا ہونے سے قبل اس کے لیے اللہ تعالیٰ مقرر کردیتا۔اللہ کے فیصلے پر صابر و شاکر ہوکر زندگی گزاریں۔

اللہ کے حبیبؐ نے اپنی امت کو رزق حرام سے بچنے کی نہایت سختی سے تاکید کی ہے اور واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ رزق حرام میں تمہارے لیے قطعی کوئی خیر و برکت نہیں۔ آخرت میں تو رزق حرام سے مستفید ہونے والے کا ٹھکانا دہکتی ہوئی آگ یعنی جہنم ہے۔ آپؐ نے فرمایا، وہ جسم جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو، جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا۔

اسلام میں رزق حلال کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول کریمؐ نے رزق حلال کو نماز اور روزے کی طرح فرض قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ان فرائض کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیے ہیں۔ پاک اور حلال طریقے سے رزق کمانا بھی فرض ہے۔(بیہقی) اسلام میں حلال محنت کا کوئی کام یا پیشہ گھٹیا یا کمتر درجہ کا نہیں ہے۔اسلام میں گھٹیا، معیوب اور ذلیل کام صرف رزق حرام کو حاصل کرنا ہے۔

۱۱-گھریلو زندگی کو خوشی اور مسرت کا ذریعہ بنائیں: ذہنی اور جسمانی طور پر ہم نے خود کا الجھا

جس عہدے اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اسے ہرگز قبول نہ کرو۔

رکھا ہے۔ وہ خوشی اور مسرت جو انسان کو اپنی فیملی کے ساتھ گزار کر حاصل ہوتی ہے وہ ہم نے خود ہی تج دی ہے۔ خاص طور پر والدین، بیوی بچوں اور بہن بھائیوں کے ساتھ ہم برائے نام وقت ہی گزارتے ہیں، ان کے ساتھ گپ شپ کا موقع بھی ہمیں کم ہی ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ والدین کی خوشنودی حاصل کرنا، اُن کی دعائیں لینا انسان کے لیے بہت بڑا سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح چھوٹے بچوں کی پیار اور خلوص سے بھری ادائیں انسان کے تمام غموں اور پریشانیوں کے لیے ٹانک کا کام کردیتی ہیں۔ حضرت ابوامامہؓ کے حوالے سے یہ حدیث بیان ہوئی ہے کہ ایک آدمی نے حضور سے دریافت کیا کہ ''والدین کا حق ان کی اولاد پر کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ تمہاری جنت اور جہنم ہیں۔'' اولاد کے بارے فرمایا ''تم لوگ اپنی اولاد کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرو اور ان کو اچھی تعلیم و تربیت دو۔''

۱۲-نفسیاتی اور ذہنی امراض سے نجات: دور جدید میں نفسیاتی اور ذہنی امراض میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے، اس کی بنیادی وجہ اسلامی تعلیمات سے انحراف ہے۔ حسد کی آگ میں لوگ جل جارہے ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر بلاوجہ کُڑھ رہے ہیں اور ہر وقت پیچ و تاب کھارہے ہیں۔ یوں اُن کو ایک ٹینشن رہتی ہے۔ ہر وقت کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا ذہنی تناؤ کا سبب ہے، باہم بغض و کینہ رکھنا اور بدگمانی کی عادت بھی انسان کو ہر وقت کسی کے خلاف سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر لوگ باہم قطع تعلق کرلیتے ہیں اور پھر کُڑھ کُڑھ کر اپنی صحت کو تباہ کرتے رہتے ہیں۔

اس طرح کے تمام رذائل انسان کے لیے ذہنی اور نفسیاتی امراض کا باعث بنتے ہیں۔ ان امراض کا مکمل حل ادویات میں نہیں بلکہ ان کا علاج اسلامی تعلیمات اور اخلاق حسنہ کو اپنانے میں ہے۔ کتاب وسنت نے ان رذائل کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے جو نفسیاتی امراض کا سبب بنتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا ''تم بدگمانی سے بچو، بے شک یہ زیادہ جھوٹی بات ہے، کسی کے عیبوں کی ٹوہ میں نہ لگو، اور نہ کسی کی جاسوسی کرو، باہم فخر نہ کرو، نہ تم حسد کرو، نہ باہم بغض رکھو اور نہ باہم قطع تعلق کرو''۔ (صحیح بخاری) حضورؐ نے فرمایا '' جس کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا'' (صحیح مسلم) اسی طرح فرمایا '' آدمی کی بُرائی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے'' (صحیح مسلم)۔ حضورؐ طمع اور لالچ سے بچنے کی دعا کرتے ''اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے دل سے جو خشیت الٰہی سے خالی ہو، اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو'' (صحیح مسلم)

☆......☆......☆

محنتی کے سامنے پہاڑ کنکر اور ست کے سامنے کنکر پہاڑ ہیں۔



رسولوں پیشوا، انبیاء کے امام
"انسان کامل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم"

محمد وجیہ السیما عرفانی

کروڑوں درود اور ان گنت سلام اُس ذاتِ عالی پر کہ وہ سردارِ جہاں ہیں، سید کونین ہیں، سرور اولین وآخرین ہیں۔ وہ عرش وفرش کی کائنات کے رہنما ہیں وہ رسولوں کے پیشوا ہیں، وہ انبیاء کے امام ہیں، روح الامین اُن کی بارگاہِ عظمت کا شیدائی ہے۔ عرش مجید اُن کے نقش پا کی برکتوں کا امین ہے۔ آفتاب ومہتاب اُن کی نگاہِ جمال کی تجلی کا پرتو ہیں۔ زمان ومکان اُن کی تقدیس وثنا کے آوازوں سے معمور ہیں۔

حُسنِ حق اُن کی بارگاہ کرم وعطا کا لقب ہے۔ عشق اُن کے نام مبارک کے جلووں کے صدقے حیاتِ تازہ کا پیکر ہے۔ سجودِ بندگی اُن کے آستانِ جمال کی نعمت ہے۔ نور سینہ اُن کے تبسم کرم کا معجزہ ہے۔ ایمان محکم ان کی ادائے عطا کا کرشمہ ہے۔ اور تمام تر نمودِ کائنات اُن کے وجود قدسی کی کرامات ہے۔

اُن کی بارگاہِ رحمۃ اللعالمین کا نذرانہ درود وسلام ہے، کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ یہ درود وسلام ایک آوازِ حق ہے کہ اُن کی چشم رحمت کی تجلیات سے وابستہ وپیوستہ ہے۔

وہ ذات عالی، جن کا نام ہی محمد ہے، ہر اعتبار سے مورِدِ حمد وثنا۔ ہر زمانے میں، ہر مقام میں، ہر حال میں، کائنات کے ہر انداز میں، اسلوب کی ہر فضا میں، ہر حیثیت میں، ہر پہلو، ہر طور اور ہر صورت سے، ہر تعریف اور ہر کوبی کا مرجع اُن کی اور انہی کی ذاتِ عالی ہے۔ یہی نام پاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مفہوم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ و کیف یدعونی وانا محمد یعنی میرے بارے میں کسی دگر گوں بات کا اطلاق ہو ہی کیسے سکتا ہے کہ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں۔ جس کی ذات اور صفات جس کے علائق اور حقیقت، جس کے جمال کی اصل اور تعبیرات تمام ہی ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے مقام محمود کی عظمتوں کے نشان ہیں۔ اُسی کیفیتِ بلند تر نے حضور سید العالمین کو حقِ تعالیٰ کی تمام تر عطا کا مالک، کونین کی جمیع نعمتوں کا مرجع اور ہمہ گیر برکات کا قاسم ومعطی بنا دیا۔

اُن کی ذات عالی رحمت وشفقت کا وہ پیکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے لشکر اُن کے جلو میں چلے۔ رب کائنات کی تمام عطاؤں کی فراوانیاں اُن کے تبسم رحمت پر نثار ہونے کے لیے مضطرب ہیں۔ وہ خود خالق کائنات جن کی

رحمتوں اور شفقتوں کا داعی بنا، خود قرآن حکیم میں وحی حق نازل فرمائی۔ ترجمہ: ''وہ جو رسول امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں بھی لکھا ہوا دیکھتے ہیں یہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور انہیں بری باتوں سے منع کرتے ہیں ان کے لیے عمدہ اور پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور بری چیزوں کو حرام کرتے ہیں ان کے بوجھ ہٹا دیتے ہیں اور ان کے طوق اتار دیتے ہیں سو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں ان کے ادب کا خیال رکھتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے۔ (الاعراف:157)

یعنی یہ دستِ جہاں کُشائے رحمۃ اللعالمین ہے کہ جس نے اہل کائنات کے لیے ہر خیر کے دروازے کھولے اور ہر خرابی کو ہمیشہ کے لیے روکا۔ اُنہوں نے ہر بوجھ کو ہٹایا، اُنہوں نے ہر مشکل کو آسان تر بنا دیا، التجائیں اُن کی بارگاہ عالی میں باریاب ہیں کہ وہ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ وہ مشفق و شفیق کامل ہیں۔ امیدیں اُن کے آستان سے کامیابی کی نوید لائی ہیں۔ اُن کی شفقتوں کا فیضان جو کائناتِ بالا میں پرفشاں ہوا تو ضیائے آفتاب بن کر موجودات کے پرتنویر ہونے کا سبب بنا اور ابر باراں بن کر ہر کوہ وصحرا کو نہال کر گیا، یہ سارا صدقہ ہے اُس ذاتِ عالی کا جن کا نام ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وہ روشن چہرہ زیبا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ آسمان سے زبر غیط انہی کے جمال جہاں آرا کے صدقے میں، زمین کو سیراب کرتا ہے اور اُن کی ذات شفقتوں اور نوازشوں کا وہ پیکر ہے کہ وہ بے سہارے کا سہارا ہر بے چارے کے چارہ ساز اور ہر امیدوار کی جھولی بھرنے والے ہیں۔

سچ یہ ہے کہ اس کائناتِ عالم میں رحمت، شفقت، احسان نوازش عطا، کرم اور مہربانیوں کا جو بھی تصور اور اُس کے اظہار کی جو بھی کیفیت موجود ہے ایک اسی ذاتِ عالی کا صدقہ ہے جنہیں رب کریم نے لو لاک لما خلقت الا فلاک کے قدسی خطاب سے مشرف فرمایا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس لیے سب کچھ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ عرصہ عالم کی بہار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے شفقتوں اور نوازشوں کی خوشبوئیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن رحمت کا کرشمہ ہیں، جہاں تابیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضِ نور کا پرتو ہیں اور قلب ونظر کی تمام تر بامرادیاں سرکار ہی کی توجہ عنایات کی کرامت ہیں سبزہ گل، یہ رنگ بہار یہ امر شفقت یہ گرے ہمتا۔ یہ محفل عالم سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لیے سجی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی رحمتوں کی آئینہ دار ہے۔

اسی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمتوں اور شفقتوں کا کیا شمار اور کیا بیان کہ رب کائنات جل شانہ، کی

دیانت دار شخص کی سب عزت کرتے ہیں۔

وحیِ حق نے جنہیں رؤف بھی کہا اور رحیم بھی یعنی اللہ جل شانہ کی ہمہ گیر اور صفتِ رحمت وشفقت کا مرقع سرکار ﷺ کی ذات بن گئی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس تمہاری ہی جانوں سے وہ آ گئے جو اللہ کے رسول ﷺ ہیں، تمہیں کوئی تکلیف لاحق ہو تو رسول اللہ ﷺ پر گراں گزرتی ہے وہ تمہارے لیے بڑی چاہت رکھنے والے ہیں وہ ایمان والوں کے ساتھ رؤف بھی ہیں رحیم بھی۔ (سورہ توبہ)

یعنی ذاتِ محمد ﷺ اس معمور کائنات میں جلوہ گر ہوئی تو خود اسی موجودات کے آئینے میں۔ اور ظاہر ہوئی تو ان برتر صفات کے ساتھ جو خالق کائنات کی تخصیص ہیں۔

تاریخوں کے واقعات اور مقدس تذکار کا کہاں تک اعادہ ہو سکے، آپ ﷺ کی حیات مقدس کا ایک ایک لمحہ ان کے شفیق ومشفق، ان کے کریم و رحیم ہونے کی ابدی شہادت ہے، آپ ﷺ معصوم بچوں میں کھڑے ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو ماں سے کہیں زیادہ شفقت و محبت کا پیکر دیکھا، مسکینوں اور ناتوانوں میں آئے تو دولتِ کونین ان کی ذات عالی کو دیکھا۔ اہل طلب کی محفل کو نوازا، تو انہیں حاصل کائنات پایا ارباب محبت کے سامنے تجلی فرما ہوئے تو انہیں محبوب ازل اور حبیب حق پایا، مُشامِ جاں کے احساس کو باریابی ملی تو اس کے دامنِ عطا کی خوشبوؤں سے نہال ہو گئے اور نگاہِ رسا کو اذنِ حضوری ملا، تو انہیں جو دیکھا اور جو پایا سو پایا۔

اور وہ محبوب تر کیوں نہ ہوں کہ وہ رحمت ومحبت کا مبتدا بھی ہیں منتہا بھی مرقع بھی ہیں اور مرجع بھی۔

ان کی محبوبیت کمال اُن کے رحمت، تمام ہونے کا صدقہ ہے۔ یہ اہل محبت کا کمال نہیں کہ انہیں جانِ جاں پایا بلکہ یہ خود آپ ﷺ ہی کی رحمۃ اللعالمین کا کرشمہ ہے جس کی زبان کو اپنے نام سے، جس کے قلب کو اپنی محبت کی شیرینی سے اور جس کی نگاہ کو اپنی توجہ کے نور سے معمور کیا۔ وہ انہی کی رحمتوں کا پیغام بن گیا۔

سرکار دو عالم ﷺ کی ذات کی طرح ان کی صفاتِ عالی بھی کسی مقام اور کسی وقت تک محدود نہ رہیں۔ حضور ﷺ لامکان سے بھی کہیں پرے مقام وحدت میں جلوہ آرا ہوئے تو رحمۃ اللعالمین کی ضوفشانیوں سے اسے بھی ہمیشہ کے لیے تابناک بنا دیا، رب کریم نے شب اِسریٰ کے دولہا کو لازوال نعمتوں کا مرقع بنا کر اس عالم وحدت میں فرمایا: السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ تو آپ ﷺ نے اپنی امتِ پاک اور اپنا نام لینے والوں کو وہاں بھی یاد رکھا اور فرمایا السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین اور یہ معجزات تو اس کائنات میں ہمیشہ ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

محنت ہی وہ کنجی ہے جو دولت کے دروازے کھولتی ہے۔



آپ ﷺ کی ازواج مطہرات

حافظ محمد توصیف عباسی

حضرت خدیجہؓ: حضرت خدیجہؓ ایک عقلمند فہمیدہ عورت تھیں۔ آپ ﷺ کی شرافت اور محیر العقول اخلاق کو دیکھ کر ان کو ایک سچا اعتقاد اور خالص انس ہوگیا۔ جس سے حضرت خدیجہؓ نے خود ارادہ کیا کہ آپ ﷺ منظور فرمادیں تو آپ ﷺ ہی سے نکاح کرلیں۔ جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہؓ سے نکاح مقرر ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر اس وقت چالیس اور بعض روایات کی رو سے پینتالیس سال تھی۔ (مغلطائی)

حضرت سودہؓ: حضرت سودہؓ پہلے سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عائشہؓ: حضرت عائشہؓ جو ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں، چھ برس کی عمر میں تھیں جب آپ ﷺ سے ان کا نکاح ہوا، اور ہجرت کے سال نو برس کی عمر میں رخصت ہوئیں، اور جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر ۱۷ سال کی تھی، نبی کریم ﷺ کی اس نوسالہ مصاحبت سے آپ پر کیا رنگ چڑھا اور کیا حاصل ہوا اس کا حال اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کسی مسئلہ میں شک ہوتا تھا تو عائشہ صدیقہؓ کے پاس اس کا علم پاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اجلہ صحابہؓ آپؓ کے شاگرد تھے۔

حضرت حفصہؓ: حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں پہلے انیس بن خدافہ کے نکاح میں تھیں، ان کے بعد ہجرت سے دوسرے یا تیسرے برس آپ ﷺ سے نکاح ہوا۔ (مغلطائی: ص ۴۷)

حضرت زینب بنت خزیمہؓ: ام المساکین کے نام سے معروف ہیں، پہلے طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں اس نے طلاق دے دی، پھر اس کے بھائی حبیدہؓ سے نکاح ہوگیا جب یہ بھی غزوہ بدر میں شہید ہوگئے تو ۳ ہجری میں غزوہ احد سے ایک ماہ پہلے آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ صرف دو ماہ نکاح میں رہ کر وفات پاگئیں۔

حضرت اُم حبیبہؓ: ابوسفیان کی بیٹی ہیں، پہلے عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، ان سے اولاد بھی ہوئی، یہ دونوں مسلمان ہوکر حبشہ ہجرت کرگئے تھے وہاں پہنچ کر عبیداللہ بن جحش نصرانی ہوگیا اور ام حبیبہؓ اپنے ایمان پر قائم رہیں اس وقت رسول اللہ ﷺ نے نجاشی شاہ

سچائی و دیانت پر ڈٹ جاؤ اور آزمائش میں پورے اترو۔

حبشہ کو خط لکھا کہ ام حبیبہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پیغام نکاح دیں، چنانچہ نجاشی نے پیغام دیا اور خود ہی نکاح کا کفیل ہوا چار سو دینار مہر خود ہی ادا کر دیئے۔

حضرت ام سلمہؓ: حضرت ام سلمہؓ کا نام ہندہ ہے پہلے ابوسلمہ کے نکاح میں تھیں جن سے اولاد بھی ہوئی، جمادی الثانی ۴ ہجری میں اور بعض روایات کے مطابق ۳ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ (سیرت مغلطائی)

کہا جاتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے تمام ازواج مطہرات کے بعد انتقال فرمایا۔

حضرت زنیب بنت جحشؓ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح زید بن حارث سے کرنا چاہا تھا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کر کے اپنا متبنی بنا رکھا تھا۔ مگر چونکہ حضرت زیدؓ غلامی کا نام آچکا تھا اس لیے زنیبؓ اس عقائد کو پسند نہ کرتی تھیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعمیل ارشاد کے لئے راضی ہوگئیں۔ ایک سال کے قریب زیدؓ کے نکاح میں رہیں مگر چونکہ طبعی موافقت نہ تھی ہمیشہ شکر رنجی رہا کرتی تھی یہاں تک کہ زیدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر طلاق کا ارادہ ظاہر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سمجھا کر طلاق سے روکا لیکن پھر کسی طرح موافقت نہ ہوئی۔ جب وہ آزاد ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تسلی اور دلجوئی کے لیے ان سے نکاح کرنا لیکن اس وقت عرب کے خیال میں متبنیٰ کو اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لیے عام لوگوں کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نکاح سے رکتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ لیکن چونکہ یہ جاہلیت کی رسم تھی اس کا مٹانا اسلام کا فرض تھا، اس لیے آیت نازل ہوئی کہ آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ ڈرنا اللہ سے چاہیے۔ (سورۂ احزاب)

غرض ۴ھ میں ار بعض روایات کے موافق ۳ھ میں خداوند عالم کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان سے نکاح کر لیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ لے پالک یعنی متبنی اصلی بیٹے کا حکم نہیں رکھتا اس کی بیوی بعد قطع تعلق کے حرام نہیں ہوتی، اور جن لوگوں نے خدا کے اس حلال کو عقیدتاً یا عملاً حرام کر رکھا ہے وہ آئندہ اس غلطی سے نکل جائیں اور جاہلیت کی یہ رسم ٹوٹ جائے لیکن اس دیرینہ رسم کا ٹوٹنا جب ہی ممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود عملاً اس کا نفاذ کریں۔

حضرت صفیہ بنت حییؓ: حضرت ہارونؑ کی اولاد سے ہیں۔ یہ صرف ان کی خصوصیات تھی کہ ایک نبی کی صاحبزادی اور ایک نبی کی زوجہ تھیں پہلے کنانہ ابن ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

حضرت جویریہ بنت حارثؓ: خزاعیہ بنی المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی ہیں، جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

دیانت دار کی رائے کڑوی ہوتی ہے۔

نکاح میں آئیں اور اس کی بدولت تمام قبیلہ آزاد ہو گیا اور ان کے باپ مسلمان ہو گئے۔

حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہؓ: اول مسعود بن عمر کے نکاح میں تھیں، اس نے طلاق دیدی تو ابورہم سے نکاح ہو گیا، ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ (مغلطائی)

یہ آپ ﷺ کی آخری ازواج میں سے ہیں، ان کے بعد آپ ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا ان کے علاوہ وہ بعض خواتین سے نکاح ہوا مگر ان کو آشرف مصاحبت حاصل نہیں ہوسکا بلکہ قبل از رخصت ہی بعض سے علیحدگی ہوگئی جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ایک مرد کے لیے متعدد بیبیاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی دنیا کے تقریباً تمام مزاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا عرب، ہندوستان، ایران، مصر، یونان، بابل، آسٹریا وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازدواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا، دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعداد ازدواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی لیکن نبھ نہ سکی بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب اس کے رواج دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

البتہ دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ اسلام سے پہلے تعداد ازواج کی کوئی حد نہ تھی ایک ایک شخص کے تحت ہزار ہزار عورتیں تک رہتی تھیں۔ شاہ فلسطین اور اس کے جانشینوں نے بہت سی بیویاں کیں۔ عیسائیوں کے پادری برابر کثرت ازواج کے عادی تھے سولہویں صدی عیسوی تک جرمنی میں اس کا عام رواج تھا۔

غرض اسلام سے پہلے کثرت ازواج ایک غیر محدود صورت سے رائج تھی، جہاں تک مزہب و ممالک کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کسی مذہب اور کسی قانون نے اس کی کوئی حد نہ لگائی تھی نہ یہود نے نصاریٰ نے نہ ہندوؤں نے نہ آریوں نے، نہ پارسیوں نے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یہ رسم اسی طرح بغیر تحدید جاری رہی بعض صحابہؓ کے نکاح میں چار سے زائد عوریں تھیں۔

حضرت محمد ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اس عام قانون کی رو سے چار سے زائد نہ رہنی چاہیے تھیں لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ امہارت المومنین دوسری عورتوں کی طرح نہیں۔ خود قرآن عزیز کا ارشاد ہے کہ: ''ینساء النبی لستن کاحد من النساء'' اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسی ہر کوئی عورتیں۔ وہ تمام امت کی مائیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد وہ کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ اب اگر عام قانون کے ماتحت چار کے سوا باقی ازواج مطہرات کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جاتا تو ان پر کتنا ظلم ہوتا کہ اب وہ عمر بھر کے لیے معطل ہو جائیں۔ اور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی چند روزہ صحبت ان کے لیے عذاب بن جاتی

کہ ادھر تو فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت چھوٹتی ہے اور ادھر ان کے لیے اس کی بھی اجازت نہیں ملتی کہ کسی اور جگہ غم غلط کر سکیں۔

اس لیے کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ ازواج مطہرات اس عام قانون کے ماتحت آئین خصوصاً وہ خواتین جن کا نکاح اس لیے عمل میں آیا تھا کہ ان کے خاوند جہاد میں شہید ہو گئے اور بے سروسامان رہ گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دلداری کے لیے ان سے نکاح کر لیا اب اگر ان کو طلاق دی جاتی تو ان پر کیا گزرت یہ اچھی دلداری ہوتی کہ وہ اب تمام عمر نکاح سے محروم ہو گئیں۔اس لیے بحکم خداوند چار سے بیویوں کو رکھنا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ٹھہری، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی کے حالات جوامت کے لیے تمام دین و دنیا کے معاملات میں دستور العمل ہیں ہم تک صرف ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ سے پہنچ سکتے ہیں اور یہ ایک ایسا مقصد ہے کہ اس کے لیے تو نو خواتین بھی کم ہیں ان حالات پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی انسان کہہ سکتا ہے یہ خصوصیت معاذ اللہ کسی نفسانی خواہش پر مبنی تھی۔تقوی مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ لوگوں کے سامنے تھی جس میں وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ شباب کا بڑا حصہ تو محض تجرد اور خلوت گرینی میں گزرا پھر جب عمر شریف پچیس سال میں پہنچی تو حضرت خدیجہ ؓ کی طرف سے نکاح کی درخواست ہوئی جو بیوہ اور صاحب اولاد ہونے کے ساتھ اس وقت چالیس سال کی بڑھاپے کا زمانہ گزار رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں اور لڑکوں اور تین لڑکیوں کی ماں تھیں۔بارگاہ نبوت میں اس کی درخواست رد نہ کی گئی اور پھر اکثر عمر اسی ایک نکاح پر گزار دی گئی، اور وہ بھی اس طرح کہ اس کو چھوڑ کر حرا کے لق و دق غار میں ایک ایک مہینہ محض عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے، اور عمر کا بڑا حصہ اسی نکاح پر گزرا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی اولاد ہوئی وہ سب حضرت خدیجہ ؓ سے ہوئی ہے۔ البتہ حضرت خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد جب کہ عمر شریف پچاس سال سے تجاوز کر جاتی ہے تو یہ سارے نکاح ظہور میں آتے ہیں اور خاص خاص ضرورتوں کے ماتحت دس خواتین تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں داخل ہوتی ہیں، جو سب کے سب (حضرت عائشہ ؓ کے سوا) بیوہ ہیں اور بعض صاحب اولاد بھی۔ان حالات پر نظر کرتے ہوئے گمان نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی سلیم الحواس انسان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تعداد ازواج کو معاذ اللہ کسی نفسانی خواہش کا نتیجہ بتلا سکے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ متعدد نکاح کس قدر اسلامی اور شرعی ضرورتوں پر مبنی تھے۔نیز اگر یہ نہ ہوتے تو بہت سے وہ احکام جو عورتوں ہی کے ذریعہ سے امت کو پہنچ سکتے تھے نہ پہنچتے۔

☆......☆......☆

اگر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو مسلسل محنت کرتے رہو۔

پیارے نبی ﷺ کی پیاری صاحبزادیاں

حافظ حقانی میاں

تاریخ انسانی کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس میں عورتوں کی داستان نہایت دردناک ہے۔ چونکہ عورت جسمانی اعتبار سے مرد سے کمزور تھی اس لیے اس کی شخصیت کو ہمیشہ پامال کیا جاتا رہا عرب کے زمانہ جاہلیت کو دیکھا جائے تو وہاں بھی عورت کی شخصیت کو کچلا گیا اور اس کی خرید و فروخت ہوئی۔ لڑکی کی پیدائش کو انہوں نے اپنی ذلت تصور کیا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کیا وہ لڑکیوں کو اپنی اولاد ہی نہیں سمجھتے تھے، لڑکوں کو ہی اپنی اولاد سمجھتے تھے۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے انسانی اقدار کو زندہ کیا اور عورت کی کچلی ہوئی شخصت کو اوپر اٹھایا۔ اسلام نے دنیا کی تمام عورتوں کو ان کے حقوق دلائے۔ میراث کا مسئلہ ہو، تعلیم و تربیت کا معاملہ ہو، ان کی شادی بیاہ کا قصہ ہو غرضیکہ ہر معاملے میں واضح احکام و قوانین موجود ہیں۔ آج کے جدید دور میں جب انسان آسمان کی وسعتوں میں اور زمین کی گہرائیوں میں مصروف تحقیق ہے۔ یورپ اور دیگر ممالک میں ترقی کے نام پر عورت کی جو تذلیل ہو رہی ہے اور وہ ہاتھوں میں کھلونا بنی ہے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اور ان پاک سیرت صحابیات و صالحات کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے جن سے ہماری زندگی میں نور پیدا ہو۔ اور ان کے واقعات ان کی شخصیت ہماری خواتین کے ذہنوں کو دین کی طرف لانے کے لیے مشعل راہ ثابت ہو۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بعثت سے پندرہ برس قبل سیدہ خدیجہؓ سے نکاح کیا۔ اس سعادت مند خاتون کے بطن مبارک سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ القاسم، عبداللہ یہ دونوں بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ۔

سیدہ زینبؓ: نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ ہیں جب آنحضرت ﷺ کا حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے نکاح ہوا تو اس کے پانچ سال بعد سیدہ زینبؓ تولد ہوئیں۔ آپؓ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں جس وقت حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں اس وقت آپ کے والد ماجد حضور ﷺ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ ظہور اسلام کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر دس سال تھی جونہی اعلان نبوت ہوا اور آنحضرت ﷺ کو تاج نبوت عطا ہوا سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا۔ ساتھ ہی سیدہ زینبؓ بھی اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ حضرت زینبؓ نے اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کے زیر سایہ

محنت وہ بنیاد ہے جس پر انسانی سماج قائم ہے۔

پرورش پائی اور تربیت حاصل کی۔ حضور ﷺ آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ اور آپ اپنے والدین کی بہت پیاری اور لاڈلی صاحبزادی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ جس قدر ناز و نعیم میں پلی تھیں اس قدر آپ کو کفار کے ظلم و ستم سہنا پڑے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ''زینبؓ میری بیٹیوں میں سب سے پیاری بیٹی ہے۔ جو میری محبت میں کافروں کے ہاتھوں سب سے زیادہ ستائی گئی۔

سیدہ زینبؓ کی خالہ اور حضرت خدیجہؓ کی سگی بہن جن کا نام ہالہ بنت خویلد تھا ان کے بڑے لڑکے کا نام ابوالعاصؓ تھا۔ یہ بڑے نیک، سلیم الفطرت اور نیک سیرت تھے۔ حضرت ہالہ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے حضرت زینبؓ کے رشتہ کی بات کی۔ بلکہ اس پر اصرار بھی کیا۔ ابو العاصؓ بن ربیع ایک بڑے تاجر تھے۔ ان کی تجارت مکہ سے شام اور عرا سے یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ نہایت سچے اور امانت دار تاجر تھے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ سے باہمی مشورہ کر کے اس نکاح کی منظوری دے دی کیونکہ رسالت مآب ﷺ کسی معاملہ میں بھی مخالفت نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی رائے کو تسلیم کرتے تھے کیونکہ سیدہ خدیجہؓ حضرت محمد ﷺ کی صرف رفیقہ حیات ہی نہ تھیں بلکہ مونس و غم خوار اور دین کے معاملہ میں معاون و مددگار بھی تھیں۔ تو اس تجویز پر سیدہ زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے کر دیا۔ خطبہ نکاح حضور ﷺ نے خود پڑھا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنی بڑی اور پیاری بیٹی کو جہیز دیا۔

ابوالعاصؓ بن الربیع نے ایک بڑی رقم سیدہ زینبؓ کے گھر کے لیے پیش کی۔ اس دور کے رواج کے مطابق اور شرفا کے طریق کے موافق اور خالہ نے قیمتی لباس اور عطریات وغیرہ کا اہتمام کیا تاکہ شادی کا نظم ہو سکے۔ بعد ازاں سیدہ کی اپنے خالہ زاد کے ساتھ رخصتی ہوئی۔ یہ فریقین کے لیے بہت ہی خوشی اور مسرت کا موقع تھا۔ سیدہ کے جہیز میں عقیق کا ایک قیمتی یمنی ہار تھا۔ جس کو حضرت زینبؓ اپنی والدہ کی انمول نشانی سمجھ کر نہایت عزیز رکھتی تھیں گویا یہ ماں کا مقدس ہدیہ تھا۔

سیدہ رقیہؓ: سیدہ رقیہؓ سرکار دوعالم ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ سیدہ رقیہؓ اپنی بڑی بہن سیدہ زینبؓ سے تین سال چھوٹی تھیں۔ آپ ام المومنین سیدہ حضرت خدیجہؓ کے بطن مبارک سے مکہ میں ۳۳ھ میں پیدا ہوئیں۔ جس وقت سیدہ رقیہؓ پیدا ہوئیں سرکار مدینہ ﷺ کی عمر مبارک تقریباً تینتیس برس کی تھی۔

سیدہ رقیہؓ نے اپنے والد ماجد حضرت محمد ﷺ اور اپنی امی جان ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی زیر نگرانی میں تربیت پائی۔ عقل و دانائی، فہم و فراست، شرم و حیا، سلیقہ شعاری میں آپ امتیازی وصف رکھتی تھیں۔ آپؓ نہایت حسین و جمیل خاتون تھیں۔

اسلام سے پہلے اس دور کے دستور کے مطابق سرور دوعالم ﷺ نے اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ کے ساتھ سیدہ رقیہؓ کا نکاح کر دیا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ فی الحقیقت سیدہ خدیجہؓ اس رشتہ پر خوش نہ

وہ لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ، جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ۔

تھیں، ان کے خیال میں اس میں خیر وسعادت کا پہلو نہ تھا۔ لیکن اپنے شوہر محمد ﷺ کی رضا جوئی کے لیے قبول کرلیا تھا۔ اس احساس کے تحت کہ ابولہب ان کے شوہر کے چچا ہیں، قرابت دار ہیں۔ جس طرح سیدہ خدیجہؓ اس خواہش سے مطمئن نہ تھیں اس طرح حضور ﷺ کا بھی معاملہ تھا۔ لیکن آپ نے صلہ رحمی اور حق قرابت کا لحاظ فرمایا۔

سیدہ خدیجہؓ اس رشتہ سے ابولہب کی بیوی ام جمیل کی وجہ سے مطمئن نہ تھیں۔ جو کہ عتبہ اوعتیبہ کی ماں تھی۔ وہ ایک ایسی خاتون تھی جس کا مزاج تند وتیز تھا اور زبان درشت۔ اور مکہ بھر میں یہ بات مشہور تھی کہ گھر میں اس کے خاوند ابولہب کا نہیں بلکہ اسی کا راج چلتا ہے۔ بچے اس کے سامنے بے بس ہیں۔ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے سنگدل، تندجو، بدمزاج اور لوگوں کو ایذا دینے میں اپنی مثال آپ تھی۔ یہ اسباب تھے جن کی بنا پر سیدہؓ کو یہ ڈر اور خوف تھا کہ ام جمیل اپنی زبان درازی سے ان کی معصوم بچیوں کو اذیت پہنچائے گی۔ یہ وہ اسباب تھے جو سیدہ خدیجہؓ کے لیے ان رشتوں کے معاملہ میں سوہان روح تھے۔ اس کے باوجود سیدہ خدیجہؓ نے ان رشتوں میں رکاوٹ نہ ڈال کر انہیں محمد ﷺ کی راحت کا بے حد احساس تھا۔

سیدہ رقیہؓ کی عمر آٹھ سال کی تھی جب انکا نکاح ہوا۔ اس نکاح کے سال بھر بعد ہی اللہ تعالیٰ نے نبوت کا تاج آنحضرت ﷺ کے سر پر رکھا۔

ابولہب اگرچہ محمد الرسول ﷺ کا چچا تھا۔ مگر آپ کا سب سے بڑا دشمن بھی یہی تھا اور ابولہب رسول ﷺ کو اذیت دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل بھی ایذا رسانی میں اس سے کم نہ تھی۔ یہ جنگل سے کانٹے دار لکڑیاں کاٹ کر رات کو حضور ﷺ کے راستہ میں بکھیر دیتی تھی۔

ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ کو بلایا اور حکم دیا کہ تم محمد ﷺ کی بیٹی رقیہؓ کو طلاق دے دو اگر تم نے طلاق نہ دی تو میں تم سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھوں گا۔ اور تمہارا چہرہ تک نہیں دیکھوں گا۔ عتبہ یہ سن کر رسول ﷺ کے پاس آیا اور حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی۔ واضح رہے کہ یہ رشتہ صرف اسلام کے ساتھ دشمنی اور عداوت کی بنا پر منقطع کیا گیا تھا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح تو کر دیا تھا مگر رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی۔ اس معاملہ میں سیدہ رقیہؓ کا کوئی قصور نہ تھا ان کو تو محض رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہونے کی بنا پر اذیت پہنچائی گئی تھی۔ ابولہب کی جانب سے اپنے بیٹے عتبہ کو طلاق دینے کے لیے کہنا اور سیدہ رقیہؓ کو طلاق دلوانے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو ذہنی صدمہ اور تکلیف پہنچانا مقصود تھا۔ کیونکہ بیٹی کی طلاق پر باپ کا غمزدہ ہونا ایک فطری امر ہے۔

اس طرح یہ رشتہ منقطع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی عفت ماب اور شریف و پاک دامن بچیوں کو اس ظالم اور کافرانہ ماحول کے عملی تعلق

بے مقصد زندگی ایک ایسی کشتی ہے جس کے پتوار نہ ہوں۔

سے پہلے ہی نجات دلا دی۔ رسول ﷺ اور سیدہ خدیجہؓ دونوں اب مطمئن بھی تھے کہ بیٹیاں بھیانک مستقبل سے محفوظ ہوگئیں اور ام جمیل کی ایذا رسانیوں اور شرارت سے بچ گئیں، چاروں بہنیں بہت خوش تھیں۔ سیدہ رقیہؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے دین کی دشمن خاتون سے نجات میسر آئی۔

ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ جب عتبہ نے سیدہ رقیہؓ کو طلاق دی تو اس کے اس عمل سے نبی ﷺ کو بے حد تکلیف پہنچی اور آپ نے عتبہ کے لیے بددعا فرمائی۔ اور فرمایا ''یا اللہ! درندوں میں سے ایک درندہ عتبہ پر مسلط فرما دے جو اس کو چیر پھاڑ کر ڈالے۔ نبی کریم ﷺ کی یہ دعا مقبول ہوئی۔ ایک موقع پر عتبہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جنگل میں تھا کہ ایک شیر آیا اس نے عتبہ ابی لہب کو پھاڑ کھایا۔ بعض راوی اس روایت سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ جب عتبہ نے سیدہ رقیہؓ کو طلاق دے دی تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح سیدنا حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔

عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری جانب وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ کردوں ۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دیا۔ اور یہ نکاح مکہ میں ہوا اور ساتھ ہی رخصتی بھی کر دی گئی۔

ایک بات قابل ذکر ہے کہ سیدنا عثمانؓ حضور ﷺ کی سگی پھوپھی زاد بہن اروی کے لڑکے تھے۔ اروی کی ماں ام الحکیم بیضا اور اللہ کے رسول ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ دونوں عبدالمطلب کی بیوی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ کے بطن سے تھے۔ آپ فطرتاً صالح، پارسا، دیانت دار اور راست باز انسان تھے۔ اور متمول اور مخیر بھی سیدہ رقیہؓ کی طلاق کے بعد دامادی کے لیے آنحضرت ﷺ کی نگاہ انتخاب حضرت عثمان پر پڑی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ کی بھی خواہش تھی کہ محمد الرسول ﷺ ان کو اپنی فرزندی میں قبول فرما لیں۔ لہٰذا جب حضرت عثمانؓ کا رشتہ سیدہ رقیہؓ کے لیے کیا گیا تو آپ نے اس کو بخوشی منظور فرما لیا اور سیدہ رقیہؓ کو ان کے نکاح میں دے دیا۔

سیدہ ام کلثوم: سیدہ ام کلثوم بنت محمد الرسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سیدہ خدیجہؓ کے بطن مبارک سے مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ ان کا اسم مبارک ام کلثومؓ ہی ہے۔ اور اس کنیت سے مشہور ہیں۔ اور کوئی الگ نام نہیں۔ آپ اپنی بڑی بہن سیدہ رقیہؓ سے پانچ سال چھوٹی تھیں۔

سیدہ ام کلثوم نے اپنی عظیم المرتبت والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ اور عالی مقام والد محمد الرسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ تربیت پائی۔ سیدہ خدیجہؓ کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ''یعنی وہ بچوں کے لیے بہترین ماں اور

جو شخص محض اپنے لیے زندہ ہے اس کا مقصد زندگی بہت گھٹیا ہے۔

گھر کے لیے بہترین منتظم ہیں"۔ اور یہ اس عظیم المرتبت ماں کی تربیت کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ ام کلثومؓ کو ان تمام اوصاف سے نوازا تھا جو عورتوں کے لیے ضروری ہیں۔ سیدہ نہایت خوش بیان اور پاکیزہ طبیعت کی مالک تھیں۔

جب نبی کریم ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر دو سال تھی۔ بعثت نبوی کے موقع پر سیدہ ام کلثومؓ نے بھی اپنی دیگر بہنوں اور والدہ سیدہ خدیجہؓ کے ہمراہ بیعت کی اور ہجرت تک مکہ ہی میں قیام پذیر رہیں۔

اعلان نبوت سے پہلے اس دور کے دستور کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے ساتھ کر دیا تھا (اور سیدہ رقیہؓ کا نکاح عتبہ کے ساتھ کیا تھا)۔ لیکن اسلام کی آواز بلند ہوئی۔ قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ شرک و بدعت کی مذمت شروع ہوئی توحید کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ تو ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل آپ کے سخت مخالف ہو گئے۔ ابولہب آپ ﷺ کا سگا چچا تھا مگر اس نے رشتہ داری اور لحاظ و مروت کو بالائے طاق رکھ کر آپ ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھ لی اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ لھب نازل فرمائی۔ جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کا نام لے کر صراحت کے ساتھ ان کی مذمت کی گئی۔ اس پر اس کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور ام جمیل ہاتھ میں کنکریاں لے کر آپ ﷺ کو مارنے کے لیے چڑھ دوڑی۔ نیز اس نے بدلہ لینے کی خاطر اپنے دونوں لڑکوں سے کہہ کر نبی ﷺ کی صاحبزادیوں کو طلاق دلوادی۔

سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کا عتبہ اور عتیبہ سے نکاح صرف انتساب نکاح تھا۔ رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء یہی تھی کہ یہ معصوم نیک اور پاک باز و پاک دامن بیبیاں ام المومنین حضرت خدیجہؓ اور باعث تخلیق کائنات محمد الرسول اللہ ﷺ کی لخت جگر ان ناپاک مشرکین کے گھر نہ جائیں۔

ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: "میں اپنی صاحبزادیوں کو اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں بیاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نکاح کے فیصلے ہوتے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ سیدہ زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے، سیدہ رقیہؓ و سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے، اور سیدۃ نساء اھل الجنۃ فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے بحکم خداوندی ہوا تھا۔

سیدہ رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ بہت غمگین رہتے تھے۔ ایک دن نبی ﷺ نے آپ کو مغموم دیکھ کر پوچھا کہ اے عثمان! تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: سرکار! مجھ سے زیادہ غم زدہ اور کون ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ کی لخت جگر رحلت فرما چکی ہیں۔ سیدہ رقیہؓ کی وفات کے بعد میرا رشتہ

مقصد سے شدید لگن محنت کا شدید جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔

خاندان نبوت سے منقطع ہو چکا ہے۔
ام عیاش ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹی ام کلثوم ؓ کو حضرت عثمان ؓ کے عقد میں دینے کا ارادہ کر لیا ہے اور یہ حکم مجھے بذریعہ وحی میرے رب نے دیا ہے۔
جناب محمد الرسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عثمان ؓ سے کہا۔ اے عثمان! حضرت جبرائیل مجھ کو خبر دے کر گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ام کلثوم ؓ کا عقد آپ کے ساتھ کر دوں اور جو مہر سیدہ رقیہ ؓ کے لیے مقرر ہوا تھا وہی مہر سیدہ ام کلثوم ؓ کا بھی ہو۔ چنانچہ سیدہ ام کلثوم ؓ کا نکاح حضرت عثمان ؓ کے ہمراہ ہو گیا۔
حضرت عثمان ؓ کے عقد میں یکے بعد دیگرے محمد ﷺ کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اس لیے بارگاہ رسالت سے آپ کو ذوالنورین یعنی دو نور والے کا خطاب ملا۔ حضرت آدمؑ سے قیامت تک حضرت عثمان ؓ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس کے ہاں کسی نبی کی دو بیٹیاں نکاح میں آئی ہوں۔
حضرت عثمان ؓ نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے، شریف اور حلیم الطبع تھے حضور ﷺ کے ساتھ ان کے نہایت مخلصانہ قرابت دار تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو شاہزادیاں ان کے نکاح میں دے دیں۔
سیدہ فاطمۃ الزہرا ؓ: جب سیدہ فاطمۃ الزہرا ؓ ام المومنین حضرت خدیجہ ؓ کے بطن مبارک سے متولد ہوئیں اس وقت جناب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کی تھی۔ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ سے فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیلؑ تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوشخبری بھجوائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بطن سے ہمیں ایک ایسی بیٹی عطا کرے گا جس کے ذریعہ ہماری نسل آگے چلے گی۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا ؓ کی ولادت اس خوشخبری کے بعد وجود میں آئی۔
زہراء اور بتول سیدہ فاطمہ ؓ کے القاب ہیں۔ زہرا اس لیے کہ ان کا چہرہ بہت سفید تھا جس سے انوار ٹپکتے تھے۔ وہ نماز ادا فرماتیں تو ان کے چہرے کے نور سے محراب روشن ہو جاتی۔ اور دائیں بائیں کا ماحول روشن ہو جاتا اور بتول اس لیے کہ وہ عورتوں کے زیادہ اختلاط سے دور رہتیں اور ان کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی عبادت نماز اور قرات میں گزرتے تھے۔ سیدہ کی کنیت ام الحسنین ہے۔ سیدۃ نساء اہل الجنۃ یعنی جنتی خواتین کی سردار آپ ؓ کا خصوصی لقب ہے۔
سیدہ فاطمہ ؓ اپنے تمام بھائی اور بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت خدیجہ ؓ کے زیر سایہ تربیت اور پرورش پائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؓ کو نہایت صالح طبیعت اور خصوصی وقار سے سرفراز فرمایا تھا۔
ابھی آپ ؓ پانچ سال ہی کی تھیں کہ آپ ؓ کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ ؓ اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ اور آپ ماں کی شفقت سے محروم ہو گئیں۔
سیدہ خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ

وقت کا ضیاع سب سے بڑی اور سب سے مہنگی فضول خرچی ہے۔

نے آپ کی خصوصی تربیت فرمائی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ اسوۂ محمدی کا کامل اور مکمل نمونہ تھیں۔ تمام اہل بیت کے مدینہ آجانے کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی شادی کی طرف توجہ فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے خود آنحضرت ﷺ سے نکاح کی درخواست کی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مہر کے لیے کوئی چیز ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ ہے سرکار! ایک زرہ اور ایک سواری ہے۔ حضرت علیؓ نے ان چیزوں کو چار سو درہم میں فروخت کر دیا اور اس سے بعض اشیا خریدیں۔

عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ ودیگر اکابر صحابہ کرامؓ کے ہمراہ حضرت علیؓ کو ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؓ نے آمد کا مقصد بیان فرمایا۔ آنحضرت ﷺ اسی وقت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ بیٹی! علی تمہاری خواہش لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ اس وقت قرآن کریم کی تلاوت فرما رہی تھیں۔ اپنے ابا جان سرکار مدینہ منورہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر شرم وحیا کے باعث خاموش ہوگئیں اور سر جھکا لیا۔ حضور ﷺ نے اس خاموشی کو رضامندی خیال کیا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ارشاد فرمایا اے ابوبکر! بازار جایئے۔ کپڑا اور گھر کی ضرورت کی چیزیں لے آیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو ساتھ لیا اور بازار چلے گئے۔ اور ضرورت کی تمام چیزیں باہم مشورہ سے خریدیں۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں سیدہ فاطمہؓ کا جہیز لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سامان کو ملاحظہ فرمایا۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ پھر فرمایا: ''الٰہی! اس قوم میں برکت عطا فرما جس کا بیشتر سامان مٹی کا ہو۔''

سیدہ فاطمہؓ کو جو جہیز دیا گیا اس میں ایک بڑی چادر، ایک چڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھرے ہوئی تھی۔ ایک پیالہ، ایک مشکیزہ، دو گھوڑے۔

غور فرمایئے کس کی بیٹی کی شادی ہے؟ یہ دو عالم کے سردار و سرکار محمد الرسول اللہ ﷺ کی بیٹی کی شادی ہے۔ یہ کس کی شادی ہے؟ یہ جنتی خواتین کی سردار و سرتاج سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی ہے اور اس کے انتظامات کتنے سادہ ہیں۔ کسی قسم کے تکلفات اور زیب وزینت کی چیزیں نظر نہیں آ رہی ہیں۔ یہ جہیز کا سامان گھر کی اہم ضروریات کے پیش نظر تھا۔ آج کل کی مروجہ رسم جہیز کی طرح نہیں آج کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس شادی اور جہیز کو دیکھ کر رسول ﷺ کی اتباع کو اپنائیں اور مسلمان خواتین کو چاہیے کہ وہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے نقش قدم پر چلیں۔

سب سے بڑے چور وہ ہیں جو آپ کا وقت ضائع کرتے ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہل مکہ

مولانا توحید عالم

ظہورِ قدسی: آفتابِ ہدایت، امام الانبیاء، حبیب کبریا حضرت محمد مصطفی ﷺ جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو صورتِ حال یہ تھی کہ ولادت مبارکہ سے پہلے ہی والد بزرگوار حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو چکا تھا؛ لیکن دادا محترم خواجہ عبدالمطلب خود بھی یتیمی کا زمانہ دیکھ چکے تھے؛ اس لیے اپنے چوبیس سالہ نوجوان پیارے فرزند عبداللہ کی اس یادگار کو بہت پیار اور محبت دیتے تھے؛ چنانچہ پیدائش کی خبر پاتے ہی نومولود کو بی بی آمنہ سے لے کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور دعا وغیرہ سے فراغت کے بعد لائے اور محمد نام رکھا؛ جب کہ والدہ ماجدہ نے الہامی نام احمد رکھا، دونوں ہی نام عرب معاشرہ کے لیے نئے تھے۔ قریش نے عبدالمطلب سے کہا کہ یہ نام تو بالکل نیا ہے، تو جواب دیا کہ مسمّٰی ہی نرالہ ہے سردار مکہ نے ساتویں دن ولیمہ کیا اور تمام قریش کی دعوت کی، آپ کے چچا ابولہب نے جب بھتیجہ کی ولادت باسعادت کی خبر سنی تو اپنی کنیز ثویبہ کو نومولود کی خدمت کے لیے آزاد کر دیا، یہ اُن خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جن کو رحمۃ للعالمین کو دودھ پلانے کی سعادت میسر ہوئی؛ کیوں کہ ابتداء میں آپ ﷺ کو حضرت آمنہ نے اور ان کے بعد حضرت ثویبہ نے دودھ پلایا، انھوں نے ہی حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا؛ اسی لیے حضرت حمزہؓ آپ ﷺ کے چچا بھی تھے اور دودھ شریک بھائی بھی، پھر حضرت صلے ﷺ کو دودھ پلانے کی سعادت عظمیٰ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حصہ میں آئی، جو ظہور اسلام کے بعد مسلمان ہوئیں۔

والدہ ماجدہ اور دادا محترم سے مفارقت: قضا وقدر کا کرشمہ ہی تھا کہ چھ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، اسی عہد طفولت میں والدہ ماجدہ بھی خدا کو پیاری ہوگئیں؛ لیکن دادا محترم کا مشفقانہ سایہ ابھی باقی تھا تربیت و پرورش کی ذمہ داری بھی دادا محترم فرما رہے تھے، ابھی ماں کا غم غلط بھی نہ ہوا تھا کہ دادا بھی داغ مفارقت دے کر خدا کو پیارے ہو گئے، اب تربیت و پرورش کا بار چچا محترم ابوطالب نے بڑی خوش اسلوبی اور انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ اٹھایا اور ماں باپ، یا دادا کے غم کو غلط فرمانے میں مکمل تعاون دیا؛ لیکن خداوند قدوس اپنے محبوب کو اس طریقے کے واقعات وحوادثات سے اشارہ دینا چاہتا تھا کہ اصل مربی اور رب وہ ذات ہے جو حَیّ لَایَمُوت ہے اور آپ ﷺ کو ظاہری مربیوں کی تربیت اور پرورش سے بے نیاز فرما دیا یا پھر ایسی پرورش ہوئی

کہ ساری دنیا بھی مل کر نہ کر سکے، لہٰذا عجیب شان والا بچہ ہے اور نرالے اوصاف سے متصف ہے کہ نہ کھیل ہے نہ کود، نہ بچوں سی ضد ہے اور نہ بیہودہ حرکتیں، نہ لڑائی ہے نہ جھگڑا؛ بل کہ ایسے اوصاف ہیں جو بڑوں بڑوں میں ناپید ہیں، ہمیشہ سچ بولنا اور سچ کو فطرتِ ثانیہ بنالینا کہ عرب صادق کا لقب دینے پر مجبور ہوئے؛ حالانکہ اس دورِ جاہلیت میں خلافِ واقعہ اور جھوٹ کو ایک کمال تصور کیا جاتا تھا، اسی طرح امانت و دیانت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس قدر پائی جاتی تھی کہ عبداللہ کے اس دُرِّ یتیم اور آمنہ کے لعل کو قریش امین سے یاد کرتے تھے، جب کہ اس شرور وفتن کے دور میں بچوں کو چھوڑیئے بڑوں میں بھی شاذ ونادر ہی امانت و دیانت پائی جاتی تھی۔

نکاح: بچپن سے جوانی تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ اور عاداتِ مبارکہ سے قریب قریب تمام قریش متاثر تھے، اسی لیے تمام مکہ میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیار، محبت، شفقت اور الفت خوب خوب ملی اور ہر طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند کردار، اچھے اخلاق اور پاکیزہ عادات وصفات کا چرچا تھا، شدہ شدہ یہ خبریں ایک پاکباز اور خوش بخت خاتون حضرت خدیجہ بنتِ خویلد کو بھی پہنچیں اور یہ خاتون پہلے سے دو شوہروں کے ساتھ رہ چکی تھیں، صاحب اولاد تھیں، ساتھ ہی صاحبِ ثروت و دولت بھی، لہٰذا اس خاتون نے آپ کو اپنا مال لے کر ملک شام تجارت کے لیے بھیجا اور اپنے ایک غلام میسرہ کو ساتھ میں لگایا پورے سفر میں اس غلام نے آپ کے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار وعادات کا خوب خوب مشاہدہ کیا اور تجارت میں بھی خوب نفع حاصل ہوا، واپسی پر غلام میسرہ نے خدیجۃ الکبریٰ سے حالاتِ سفر بیان کیے، تو آپ کے اخلاق، کردار، عادات اور اوصاف بیان کرتے کرتے تھکتے نہ تھے جس کا خدیجہؓ کے دل پر عجیب اثر ہوا، لہٰذا انھوں نے اپنی خواتین سے مشورہ کرکے آپ کو پیغامِ نکاح دیا، یہ خاتون اگرچہ بیوہ تھیں؛ لیکن بڑے بڑے سرداروں کے پیغامات ٹھکرا چکی تھیں اور آپ کو سنتِ انبیا پر عمل کرنا اور امت کو سبق دینا تھا، لہٰذا چچا بزرگوار حضرت ابوطالب سے مشورہ کیا اور اشارہ پاکر پیغام قبول فرمایا۔ واضح رہے کہ عین عنفوانِ شباب کا عہد تھا، اگر نفسانی خواہشات کی تکمیل مقصود ہوتی تو اپنے سے پندرہ سال بڑی اور صاحب اولاد بیوہ خاتون سے عقد نہ فرماکر کسی دوشیزہ اور نوجوان خوبصورت وخوبرو لڑکی سے عقدِ نکاح ہوتا؛ البتہ حضرت خدیجہ بنت خویلد بھی معزز اور شریف خاندان وقبیلہ سے تھیں، جیسا کہ آپ نجیب الطرفین تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دَدھیال اور ننھیال دونوں ہی عرب کے بہترین قبیلے، بہترین قوم اور بہترین شاخ تھے، یہی وجہ بھی تھی کہ آپ کا تمام قریش ادب واحترام کرتے تھے، پس آپ کے عقد مسنون میں تمام رؤسائے قریش شریک ہوئے اور خطبہ ابوطالب نے پڑھا اور یہ نکاح نہایت بابرکت ثابت ہوا۔

قربِ زمانہ بعثت: جب بعثت کا زمانہ قریب ہوا تو آپ کو آبادی سے وحشت ہونے لگی اور آپ

پابندی وقت بہت بڑی بات ہے۔

تنہائی تلاش کرنے لگے؛ چنانچہ پہاڑوں میں جا کر غارِحراء میں کئی کئی دن قیام فرماتے، ستو اور پانی اپنے ہمراہ لے جاتے یا کبھی کبھی حضرت خدیجہؓ ہی کھانا وغیرہ پہنچا دیتی تھیں، وہاں عبادتِ خداوندی میں مصروف رہتے، اس عبادت میں تحمید وتقدیسِ الٰہی کے ساتھ قدرتِ الٰہیہ پر تدبر وتفکر بھی شامل تھا، اسی وقت آپ کو رات میں خواب دکھنے شروع ہوئے اور یہ خواب نہایت سچے ہوتے تھے، یعنی جو کچھ رات میں خواب میں نظر آتا، دن میں ویسا ہی ظہور میں آتا۔(بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

بعثت ونبوت: جب آپ کی عمر قمری حساب سے چالیس سے ایک دن اوپر ہوئی، وہ دوشنبہ کا دن تھا، تو حضرت روح الامینؑ حکمِ نبوت لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اس وقت آپ غارِحرا کے اندر عبادت میں مصروف تھے، حضرت روح الامینؑ نے فرمایا: محمد! بشارت قبول کیجیے، آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں!

تبلیغ کا آغاز: اس کے بعد ایک عرصہ تک سلسلہ وحی بند رہا، یہی فطرتِ وحی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ پھر وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے دامنِ کوہ سے واپس ہو کر تبلیغ شروع فرمادی، یہاں سے تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ دین کا آغاز ہوا؛ بل کہ یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ مصائب وآلام کا دور شروع ہوا، جب آنحضرت نے نبوت اور وحدتِ خداوندی کا اعلان فرمایا تو خواتین میں خدیجہؓ، دوستوں میں ابوبکرؓ، بچوں میں علیؓ، غلاموں میں زید بن حارثہؓ اور باندیوں میں حضرت ثوبیہ مشرف بہ سلام ہوئے، یہ سب وہ حضرات اور شخصیات ہیں، جو آپ کے چالیس سال کے لحمہ لحمہ اور ہر ہر حرکت وسکون سے واقف تھے، ان سب کا اولِ وہلہ میں مسلمان ہوجانا آپ کی اعلیٰ صداقت اور راست بازی کی قوی دلیل ہے؛ لیکن قریش میں کھلبلی مچ گئی اور وہ لوگ جو زنا، جوا، قتل، عہد شکنی، آوارگی، ہر ایک قانون ووعدہ کی بندش وقیود سے آزاد رہنے، بے شمار عورتوں کو گھر میں ڈال رکھنے کے عادی تھے اور قانونِ اسلام ان کو اپنی پیاری بلکہ محبوب ترین عادت کا دشمن معلوم ہوتا تھا، لہٰذا انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور اسلام کا نام ونشان مٹانے کا فیصلہ کرلیا، چنانچہ وہی قبائلِ قریش جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیار ومحبت دیتے تھے، جان کے دشمن بن گئے، جو ادب واحترام کرتے تھے، اب وہ نام لینا بھی گوارہ نہ کرتے تھے نام ونشان مٹانے کے درپے ہوگئے، وہی چچا جو خوشی میں باندی کو آزاد کرچکا تھا، طرح طرح سے تکالیف پہنچانے لگا۔

رحمۃ اللعالمین کے ساتھ قریش کی بدسلوکیاں: بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے؛ تاکہ پاؤں مبارک زخمی ہوں، آپ کے دروازے پر غلاظتیں اور گندی چیزیں پھینکی جاتیں؛ تاکہ صحت اور جمعیتِ خاطر میں خلل پیدا ہو، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحنِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا اور اپنی چادر کو

وقت ضائع کرتے وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وقت بھی آپ کو ضائع کر رہا ہے۔

لپیٹ کر رسّی جیسا بنایا جب اللہ کا رسول ﷺ سجدہ میں گیا تو چادر حضرت کی گردن میں ڈال کر پیچ پر پیچ دینے شروع کیے اور آپ کی مبارک گردن بہت بھینچ گئی تاہم رسول اللہ اسی اطمینانِ قلب سے سجدے میں پڑے رہے؛ تا آنکہ ابوبکرؓ وہاں آئے، انھوں نے عتبہ کو دھکا دے کر ہٹایا اور فرمایا جو آیت مبارکہ ہے: تقتلون رَجُلًا ان یقولَ ربّیَ اللہُ وقد جاء کم بالبینات (کیا تم ایسے بزرگ آدمی کو مارتے ہو اور صرف اس جرم میں کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتا ہے اور تمہارے پاس روشن دلائل بھی لے کر آیا ہے) (رحمۃ للعالمین بحوالہ بخاری شریف)

ایک اور واقعہ ہے کہ آپ حرم شریف میں نماز میں مشغول تھے اور قریش بھی بیٹھے ہوئے تھے مردود ابوجہل نے کہا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی جا کر اٹھالائے بدبخت عتبہ اٹھا اور نجاست بھری اوجھ اٹھالایا جب نبی ﷺ سجدے میں گئے تو مبارک پیٹھ پر رکھ دی، آنحضرت تو رب العزت کی طرف متوجہ تھے کچھ خبر بھی نہ ہوئی کفار مارے خوشی اور ہنسی کے لوٹے جاتے تھے۔

ایذارسانی کی باقاعدہ کمیٹی: نبی ﷺ پر جو ظلم وزیادتی اور جوروستم ہو رہے تھے کفار قریش انھیں ہنوز ناکافی سمجھتے تھے، چنانچہ متفرق کوششوں کے لیے باقاعدہ کمیٹی تشکیل دی، جس کا میر مجلس اور امیر عبدالعزّٰی ابولہب مقرر ہوا اور مکہ کے پچیس رؤسا اور سردار اس کے ممبران منتخب ہوئے، اس کمیٹی کی مہم اور ذمہ داری یہ طے ہوئی کہ جو لوگ دور دراز کے علاقوں سے مکہ آئیں، انھیں اللہ کے نبی محمد ﷺ کے متعلق کہا جائے؛ تاکہ وہ ان کی باتیں نہ سنیں اور ان کی عظمت اور توحید و رسالت کے قائل نہ ہوں، ایک نے کہا کہ ہم کاہن بتلائیں گے، ولید بن مغیرہ بولا میں نے بہت سے کاہن دیکھے ہیں، ان کی باتوں میں اور محمد ﷺ کی باتوں میں یگانگت نہیں ہے؛ اس لیے عرب ہمیں جھوٹا کہیں گے، پس کچھ اور کہا جائے، دوسرے نے کہا دیوانہ کہیں گے، ولید نے کہا محمد کو دیوانگی سے کیا نسبت ہے، ایک بولا ہم شاعر کہیں گے، ولید بولا ہم خوب جانتے ہیں کہ شعر کیا ہوتا ہے، اصنافِ سخن ہم کو بخوبی معلوم ہیں محمد کے کلام کو شعر سے ذرا بھی مشابہت نہیں، کسی نے کہا ہم جادوگر کہیں گے ولید نے کہا محمد جس طہارت، نفاست اور لطافت سے رہتا ہے وہ ساحروں اور جادوگروں میں کہاں ہوتی ہے، سب نے عاجز وقاصر ہو کر کہا چچا آپ ہی بتائیں ہم کیا کہیں، ولید نے کہا کہ کہنے کے لیے بس ایک بات ہے کہ اس کے کلام میں کچھ ایسا اثر ہے جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے؛ اس لیے اس کی باتوں کے سننے سے بچا جائے اور پرہیز کیا جائے یہ تجویز منظور ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۹۰)

دوسری کمیٹی یہ بنائی گئی کہ محمد کو طرح طرح سے دق اور پریشان کیا جائے، بات بات میں اس کی ہنسی اڑائی جائے، تمسخر اور ایذا سے اُسے سخت تکالیف

دی جائیں اور محمد کو سچا جاننے اور ماننے والوں کو انتہائی درجہ کی تکالیف سے دوچار کیا جائے۔
جاں نثاروں پر ظلم وستم: چنانچہ تمام مسلمانوں اور ہمدردانِ نبی کو شعب ابی طالب میں بائیکاٹ کر کے قید کیا گیا، حضرت بلال حبشیؓ کو امیہ بن خلف گلے میں رسی ڈال کر اوباش لڑکوں کو دے دیتا وہ ان کو پہاڑوں اور پتھروں میں گھسیٹتے پھرتے، مکہ کی گرم اور تپتی ریت پر انہیں لٹادیا جاتا اور گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیے جاتے، مشکیں باندھ کر لاٹھی ڈنڈوں سے پیٹا جاتا، دھوپ میں بٹھادیا جاتا، بھوکا پیاسا رکھا جاتا، حضرت بلالؓ ان تمام ایذاؤں پر صبر فرماتے تھے، ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ نے دیکھ لیا تو خرید کر آزاد فرمادیا، حضرتِ عمارؓ، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور والدہ حضرت سُمیّہؓ کو مختلف سزائیں دی جاتی تھیں، مردود ابن ہشام ابوجہل نے ایک برچھا حضرت سمیہؓ کی اندام نہانی پر مارا جس سے بیچاری انتقال کر گئیں اور اسلام میں پہلی شہادت پیش کرنے والی خاتون ہوئیں۔ حضرت ابوفکیہہؓ جن کا نام افلح تھا ان کے پاؤں میں زنجیریں باندھ کر پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا، حضرت خباب بن ارتؓ کے سر کے بال کھینچے جاتے، گردن مروڑی جاتی اور بارہا آگ کے دہکتے ہوئے شعلوں اور انگاروں پر لٹایا جاتا، حضرت عثمان بن عفانؓ کے اسلام لانے کا علم جب ان کے چچا کو ہوا تو کمبخت حضرت عثمانؓ کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا تھا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کی والدہ نے گھر سے نکال دیا تھا جرم صرف اسلام کا قبول کرنا تھا، بعض جاں نثاروں کو قریش گائے اور اونٹ کے چمڑوں میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے اور بعض کو لوہے کی زرہیں پہنا کر پتھروں پر گرادیتے تھے، انتہا یہ ہوئی کہ گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا، کبھی اسلام کے شیدائی حبشہ کی جانب ہجرت کرتے ہیں اور کبھی یثرب (مدینہ منورہ) کی طرف اور شہر چھوڑنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑا کبھی نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کے خلاف شکایات لے کر گئے اور کبھی مدینہ پر بار بار چڑھائی کر کے مسلمانوں اور اہل اسلام کو پریشان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ لیکن ہجرتِ مدینہ اور ہجرتِ حبشہ اسلام کی ترقی کے لیے سنگِ میل ثابت ہوئیں؛ چنانچہ اسلام کو رفتہ رفتہ عروج ہوتا رہا۔
حرفِ آخر: رحمتِ دوعالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور مبارک زندگی کو تین ادوار اور حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:
(ا) بعثت ونبوت سے قبل چالیس سال اس پوری مدت اور پورے عرصے میں تمام قریش خواہ اپنے ہوں یا پرائے، چھوٹے ہوں یا بڑے سب ہی آمنہ کے لعل اور عبداللہ کے فرزند پر جاں نثار تھے، شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے اور ادب و احترام کی وجہ سے نام نہ لے کر صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے۔
(۲) دوسرا دور بعثت ونبوت کے بعد سے فتحِ مکہ

تک، اکیس سال اس عرصے میں صورتِ حال یکسر بدل گئی تھی اور قریش کا بچہ بچہ اللہ کے رسول ﷺ کا جانی دشمن تھا اور عداوت و دشمنی میں بھی حد سے متجاوز تھا اور صورتِ حال کے بدلنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ قریش کو اپنی آزادخیالی، بے مہار زندگی اور مذہب وقانون کی بندشوں سے بے پرواہ رہنے جیسی عادت کے لیے اسلام اور بانیٔ اسلام دشمن نظر آتے تھے، لہٰذا مذہبِ اسلام اور اسلام کا نام لینے والوں کا نام ونشان مٹانا انھوں نے اپنا مقصدِ زندگی بنالیا تھا۔

(۳) تیسرا دور فتح مکہ سے شروع ہوتا ہے یہ دور مندرجہ دوسرے دور سے بالکل مختلف تھا کہ جو قوم پہلے طاقتور اور زور آور تھی وہ اب کمزور و ناتواں ہوچکی تھی اور جو حضرات دوسرے دور میں بے سروسامانی کے عالم میں تھے وہ خداوند عالم کے فضل وکرم سے بھاری جمعیت اور ساز وسامان سے آراستہ ہو چکے تھے اور صورتِ حال اس لحاظ سے بھی بدلی ہوئی تھی کہ دوسرے دور میں جو قوم طاقتور اور زور آور تھی وہ کمزوروں پر ظلم وستم کو روا رکھتی تھی بل کہ کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی اور جو حضرات اس تیسرے دور میں غالب تھے وہ ظلم تو کجا بدلہ لینے کو جائز نہیں کہہ رہے تھے جب کہ عالمی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمیشہ فاتح قوم نے مفتوحوں پر ظلم کیا ہے؛ لیکن یہ قوم اقوام کی تاریخ سے سبق لینے یا اس پر عمل کرنے کے لیے نہیں؛ بل کہ ایک ایسی نئی تاریخ رقم کرنے والی قوم تھی اور ہے، جسے تا ابد اقوامِ عالم دیکھتی رہیں اور اس سے سبق لے کر عالم کو فتح کرنے کا راستہ ہموار کریں، اسی کو سیرت نگار اور مؤرخ اسلام لکھتے ہیں کہ: اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا؛ بل کہ اسلام کی نشر واشاعت اخلاقِ حسنہ کے ذریعہ ہوئی ہے اور فتح مکہ اس کی زندۂ جاوید مثال ہے کہ قریش کا غرور اور گھمنڈ خاک میں مل چکا تھا اور اپنی زندگی کی بھیک مانگنے کے لیے بیت اللہ شریف میں جمع تھے، اُدھر اللہ کا وہ رسول ﷺ جو آٹھ سال پہلے اسی مادرِ وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا اور ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر بھی قریش سے متعدد مرتبہ دق اور پریشان ہو چکا تھا، اگر چاہتا تو بیک زبان ان کی گردن کاٹنے کا حکم فرماتا؛ کیوں کہ ان میں مسلمانوں کے قاتل، نبی ﷺ کے بڑے بڑے دشمن، اسد اللہ حضرت حمزہؓ کا قاتل، ان کی مبارک نعش کی بے حرمتی کرنے والا اور حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی وغیرہ وغیرہ ایسے بہت سے تھے جن سے نا بھولنے والی ایذائیں اور تکالیف پہنچی تھیں، لیکن اللہ کے رسول رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں اور وہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو دوبارہ زندہ فرمانے والے ہیں، لہٰذا وہی معاملہ فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا آپ نے فرمایا کہ تم سب پر آج کوئی گرفت نہ ہوگی؛ چنانچہ اس اخلاق کا اثر یہ ہوا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے، یہ ہے اشاعتِ اسلام کا اصل سبب، اللہ رب العزت تمام ملت کو اخلاقِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے کی سعادتِ عظمیٰ نصیب فرمائے، آمین ثم آمین!

بڑے کام کرو بڑے وعدے نہ کرو۔

قاری محمد حامد محمود

رحمتِ عالم ﷺ کا دشمنوں کیساتھ
درگزر اور حُسنِ سلوک

اللہ جل شانہ نے اپنے پیغمبر محمد مصطفی ﷺ کو عفو و درگزر اور مجسم سراپا رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپ ﷺ کے وہ بدترین دشمن جنہوں نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا اور ہر طرح کے ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ جس کو اللہ رب العزت نے رحمت اللعالین بنا کر بھیجا تھا اس عظیم ذات نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ کیسا معاملہ رکھا۔

عبداللہ بن ابی امیہ، نبی کریم ﷺ کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔ اس کے رگ وپے میں آپ ﷺ کے لیے بغض وعناد اور غم وغصہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس سلسلے میں صرف ایک بیان سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اگر آسمان سے زمین تک ایک سیڑھی قائم ہو جائے اور آپ ﷺ اس پر سے آسمانوں پر چڑھ جائیں اور پھر وہاں سے نبوت و رسالت کی سند لے کر آجائیں اور میں آپ ﷺ کے ساتھ ملائکہ کو بھی اترتے ہوئے دیکھوں اور چار فرشتے آکر میرے سامنے سے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دستاویز رکھ دیں تب بھی میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لا سکتا۔ اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس درجہ دشمنی اس کے ذہن میں بھری ہوئی تھی۔

اتنا بڑا دشمن جب فتح مکہ کے سفر میں پیش قدمی کر کے آگے آیا اور راستے میں ہی آکر اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے پچھلی ساری باتوں کو بھلا دیا، معاف کر دیا اور کسی بات کو یاد دلا کر اس کو شرمندہ تک نہ کیا۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب یہ نبی کریم ﷺ کا رضائی بھائی تھا اور مکہ کا معروف شاعر بھی تھا لیکن نبی رحمت ﷺ کے ساتھ ایسا معاندارنہ رویہ اور مزاج رکھتا تھا کہ نت نئے انداز سے آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ، بے ہودہ اور طنزیہ اشعار کہتا اور آپ ﷺ کی شان میں ہجو کرنے میں بڑا فخر محسوس کرتا تھا اور اپنے اس رویے پر اتراتا تھا۔ اس نے اس رویے کی وجہ سے آپ ﷺ کو جو ذہنی صدمہ اور تکلیف ہوتی تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ باوقار صاحب عز وشرف لوگوں کے لیے بے ہودہ لوگوں کی طنزیہ باتیں اور بے ہودہ اشعار ومکالمات بڑے

عالم علم کے سہارے سے اور جاہل سازش کے سہارے سے کامیابی حاصل کرتا ہے۔

تکلیف دہ ہوتے ہیں۔
آپ ﷺ نے اس کی بے ہودہ باتوں اور اشعار کی بناء پر فتح مکہ کے سفر میں صحابہ کرامؓ سے فرما دیا تھا کہ سفیان بن حارث جس کو بھی مل جائے وہ اسے فوراً قتل کردے۔لیکن فتح مکہ کے سفر میں یہ کسی طرح مکہ مکرمہ سے پہلے ہی نکل کر مدینہ منورہ کے راستے میں جا بیٹھا اور آپ ﷺ سے ملاقات کرلی اور اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی آپ ﷺ کے ذہن میں پچھلی ساری تکالیف اور اذیتوں کا نقشہ آ گیا مگر آپ ﷺ ان کو زبان پر نہ لائے بلکہ مسکرا کر استقبال کیا اور حلقہ بگوش اسلام کرلیا۔(الاستیعاب،اسد الغابہ)
نبی کریم ﷺ نے ایسے خطرناک دشمنوں کو بھی معاف کیا جنہوں نے آپ ﷺ کی زندگی اور جان سے کھیلنے کی کوشش کی۔ لبید بن الاعصم رزقی جو یہودیوں کا حلیف اور پکا منافق تھا اس نے دولت اور انعام کے لالچ میں آ کر رسول رحمت ﷺ پر ایسا خطرناک جادو کیا کہ جس سے بچ کر نکلنا انسانی امکان سے خارج تھا۔ لیکن اللہ نے اپنے حبیب مکرم کے ساتھ کرم فرمایا اور وحی کے ذریعے سارے احوال سے آ گاہی عطا فرمائی۔اس جادو کا اثر آپ ﷺ پر پیغمبر ہونے کے باوجود اتنا تھا کہ آپ ﷺ کو اپنا کیا ہوا کام یاد نہ رہتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو اس جادو کے اثر سے باہر نکالا اور نجات دلائی۔لبید بن الاعظم پکڑا گیا۔صحابہ کرامؓ نے بارہا عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ جب یہ شخص آپ کی جان کے درپے ہوسکتا ہے تو نہ جانے کتنوں کو نقصان پہنچائے، اسے قتل کر دینا چاہیے۔ آپ ﷺ نے اس سے بدلہ نہ لیا بلکہ معاف فرما دیا۔ (بخاری شریف)
غزوہ احد میں تین اشخاص نے براہ راست آپ ﷺ پر حملہ کیا۔عبداللہ بن قمیہ وہ شخص تھا کہ جس نے تلوار سے آپ ﷺ کے سر مبارک پر کئی بار وار کیا جس سے لوہے کا خود کٹ کر آپ کے سر مبارک تک تلوار کا نشان پہنچ گیا اور اس کی کڑی پیشانی کی ہڈی میں داخل ہوگئی۔عتبہ بن ابی وقاص، اس نے پتھر مار کر دندان مبارک شہید کیا ان کا بدلہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں لیا، بلکہ اللہ واحد القہار نے خود بدلہ لے لیا۔عبداللہ بن قمیہ کو اسی سفر میں پہاڑی بکریوں نے گھیر کر سینگوں سے ٹکریں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔
عتبہ بن ابی وقاص کو میدان جنگ میں ہی صحابی رسول ﷺ حضرت حاطبؓ نے واصل جہنم کیا۔ تیسرا شخص عبداللہ بن ابن شہاب تھا۔ اس نے پتھر مار کر رخسار مبارک اور پیشانی مبارک کو زخمی کر دیا تھا۔ یقیناً جس نے نبی کریم ﷺ پر اس طرح حملہ کر کے خون بہایا ہو وہ قطعاً معافی کے قابل اور بخشش کے لائق نہیں ہوسکتا۔لیکن

جب وہ قید ہوکر مسلمانوں کے ہتھے چڑھا اور اسے نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے نہ اس سے کوئی بدلہ لیا بلکہ اس کو اس کا جرم بھی یاد نہ دلایا، مسکراہٹ کے ساتھ گلے سے لگایا اور معاف کر دیا۔ عبداللہ بن شہاب کے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت لکھی تھی، اس نے اسلام قبول کر لیا اور بحالت اسلام ہی مکہ میں وفات پائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے خیبر فتح فرمادی اور آپ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر سے جلاوطنی کا حکم دیا تو اہل خیبر نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم کو کھیتی باڑی کا تجربہ ہے، آپ ﷺ ہمیں یہاں رہنے کی اجازت دے دیں تو کھیتی باڑی میں محنت ہم کریں گے اور پیداوار کا آدھا حصہ ہم آپ کو دے دیں گے تو آپ ﷺ نے فوری طور پر ان کو خیبر سے جلاوطن نہیں کیا بلکہ ان کو وہیں رہنے دیا اور خیبر کی زمین بٹائی کے طور پر ان کے حوالے کی اور ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ ہم جب چاہیں گے تم کو یہاں سے نکال دیں گے۔

یہ تو نبی کریم ﷺ کا حسن سلوک تھا۔ دوسری طرف جب یہودیوں نے دیکھا کہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ یہودیوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے ہیں اور اب عنقریب مدینہ منورہ واپس لوٹنے والے ہیں تو انہوں نے مکرو فریب کی چال چلی کہ آپ ﷺ کے پاس تحائف بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ ایک یہودی عورت زینب بن حارث جو سلام بن مکشم کی بیوی تھی اس نے ایک بار ایک بھنی ہوئی بکری زہر میں تیار کر کے بطور تحفہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کے ساتھ ایک نوالہ کھا بھی لیا بلکہ ایک صحابی حضرت براء بن معرور شہید بھی ہو گئے۔ نبی پاک ﷺ کے جسد اطہر پر بھی زہر کے اثرات مرتب ہوئے۔ جب یہودیوں سے اس سلسلے میں باز پرس کی گئی تو انہوں نے جرم کا اقرار بھی کر لیا لیکن محسن انسانیت ﷺ نے ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا بلکہ اپنی ذات کے بارے میں ان کو معاف فرمادیا۔ (بخاری شریف)

جب اللہ بزرگ و برتر نے آپ ﷺ کو دعوت اسلام اور مسلمانوں کو عز و شرف کے ساتھ مکہ مکرمہ پر فاتحانہ غلبہ عطا فرمایا اور ان دشمنوں کو آپ ﷺ کے سامنے دست بستہ کھڑا کر دیا جنہوں نے ایذا رسانی اور تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی تو رسول اکرم ﷺ نے ان تمام دشمنوں کو عام معافی اور پناہ دینے کا اعلان فرمادیا تھا۔ یہ رسول رحمت ﷺ کی ہی ذاتِ والا صفات تھی کہ جس کی رحمت و مہربانی الفت و رافت کا دریا دوست دشمن میں برابری کی بنیاد پر بہتا رہا اور یہ اعلان ہوتا رہا کہ آج نہ کوئی بدلہ ہے اور نہ ہی کوئی انتقامی کارروائی ہے۔ ہر طرف مہربانی، ہمدردی، عفو و درگزر اور حسن سلوک کا دریا بہہ رہا ہے حتیٰ کہ عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن سعد بن ابی سراح اور صفوان

بن امیہ وغیرہ جیسے وہ تمام دشمنان رسول جن کے بارے میں خود آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اگر حدود حرم میں ملیں یا باہر قتل کر دیا جائے کا اعلان اور منادی کرا دی گئی تھی لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ بعد میں انہیں بھی معافی مل گئی۔ یہی رسول رحمت ﷺ کی شایان شان شفقت و محبت تھی اور اسلام بھی پوری امت مسلمہ کو اسی کی تعلیم دیتا ہے رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو وہاں کے مختلف علاقوں کا گورنر مقرر کیا اور ان کو رخصت کرتے وقت بطور نصیحت و وصیت ارشاد فرمایا کہ: ''تم جس قوم کے پاس جا رہے ہو ان کے ساتھ نرمی اور سہولت کا معاملہ کرنا، ان کے ساتھ تنگی اور سختی کا معاملہ نہ کرنا۔ ان کو خیر اور بھلائی کی باتیں اور خوش خبریاں دیتے رہنا، ان کے درمیان نفرت کا ماحول پیدا نہ کرنا اور دونوں آپس میں کسی معاملے کو فیصلے کی حد تک پہنچانے میں ایک دوسرے کی موافقت کرتے رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔''

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ''دعوت و تبلیغ کے راستے میں اگر تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچائی جائیں تو قدرت حاصل ہونے کے وقت اس بات کی اجازت ہے کہ برابر کا بدلہ لو لیکن صبر کا مقام اس سے بلند تر ہے، اگر صبر کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اور دیکھنے والوں کے حق میں نیز خود ظلم و جور کرنے والوں میں نتیجہ خیز ہوگا۔ مظالم اور شدائد پر صبر کرنا آسان کام نہیں اگر اللہ ہی کی مدد شامل ہو تو ہو سکتا ہے کہ آدمی ظلم سہتا رہے لیکن اُف تک نہ کرے۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب رب العزت نے آپ ﷺ کو فتوحات کا شرف عطا فرمایا تو آپ ﷺ نے ان افراد اور اقوام کے ساتھ عفو و درگزر کا ایسا معاملہ فرمایا کہ جیسے آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان کوئی بات پیش ہی نہ آئی ہو۔ ان واقعات کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ رحمت و ہدایت درحقیقت ان ہی لوگوں کے لیے ہوتی ہے جو کفر و شرک اور منافقت کی دلدل اور آلائش سے پاک وصاف ہو کر ایمان کی کسوٹی میں اتر چکے ہیں۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یوں بیان فرماتا ہے: یہ ہدایت و رحمت ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ (سورہ یوسف)

سورہ نمل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تم بدلہ لو تو اس قدر لو جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر تم اتنا صبر کرو گے تو یہی صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے اور آپ اتنا صبر کیجئے جتنا اللہ کی مدد سے آپ سے ہو سکے اور آپ ان پر غم نہ کریں اور ان کے مکر و فریب سے تنگی محسوس نہ کریں بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکی کرتے ہیں۔''

اپنی زندگی کو اپنے انداز کے مطابق بسر کرنے کے قابل ہو جانا ہی کامیابی ہے۔

ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہے؟

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

خدائی فیصلوں میں تبدیلی ممکن نہیں ہوتی۔انسان جس خاتون کے بطن سے جنم لے اس کے بعد دنیا کی کوئی عورت اس کی ماں نہیں بن سکتی،جس باپ کی نسل سے جنم لیا جائے پھراس کے بعد کوئی مردانسان کا باپ نہیں بن سکتا۔جس ملک،جس قوم ،جس نسل،جس خاندان اور جس سرزمین پر انسان آنکھیں کھولتا ہے یہ خدائی فیصلے آخری ہوتے ہیں جن میں کوئی بھی تبدیلی ناممکنات عالم میں سے ہے۔اسی طرح اللہ تعالی نے انسان کی ہدایت کے لیے جو فیصلے کیے ہیں ان میں بھی تبدیلی ممکن نہیں ہوسکتی۔خالق کائنات نے انسانوں میں انبیا علیھم السلام کا سلسلہ شروع کیا۔شیطان جیسے جیسے انسان کو گمراہ کرنے کے نت نئے طریقے اختیار کرتا رہا ویسے ویسے اللہ تعالی انبیا علیھم السلام کو دنیا میں بھیجتا رہا اور انسانوں کو سیدھی راہ دکھائی جاتی رہی۔پھرایک وقت آیا کہ شیطان کو گمراہی میں مہارت حاصل ہوگئی،جس کے بعد انسان کو بھی ہدایت کا مکمل سامان فراہم کر دیا گیا۔اب قیامت تک شیطان جن جن راستوں سے انسان کو گمراہ کر سکے گا اور جن نت نئے حربوں کو آزما سکے گا ان سب کا توڑ قرآن وسنت میں محفوظ ہے۔ختم نبوت کا یہی مطلب ہے کہ انسانی ہدایت کا سامان مکمل ہو چکا ہے اور اب کوئی نبی نہیں آئے گا،کوئی رسول نہیں آئے گا،کوئی کتاب،کوئی شریعت اور وحی کے نزول کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔اگر کسی نے نبوت و رسالت اور شریعت و کتاب و وحی کے دعوے کیے تو وہ کذاب ہوگا اور اسکی پیروی کرنے والے امت مسلمہ سے خارج ہوں گے۔

ہر نبی اور ہر آسمانی کتاب نے اپنی امت کو اپنے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں اطلاعات دی ہیں۔کتب آسمانی میں یہ اطلاعات بہت تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔گزشتہ مقدس کتب میں اگرچہ انسانوں نے اپنی طرف سے بہت سی تبدیلیاں کر دیں،اپنی مرضی کی بہت سی نئی باتیں ڈال کر تو اپنی مرضی کے خلاف کی بہت سی باتیں نکال دیں لیکن اس کے باوجود بھی جہاں عقائد کی جلتی بجھتی حقیقتوں سے آج بھی گزشتہ صحائف کسی حد تک منور ہیں وہاں آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قیامت کی پیشین گوئیاں بھی ان تمام کتب میں موجود ہے۔یہود و نصاریٰ نے بعثت نبوت اخری کے بعد ان نشانیوں کو مٹانے کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی بکثرت آثار اب بھی باقی

کامیاب انسان بننے کے لیے احساس ذمہ داری ضروری ہے۔

ہیں اور علمائے امت مسلمہ نے انہیں تلاش کر کے عالم انسانیت کے سامنے پیش بھی کر دیا ہے۔اسی طرح وہ بعد میں آنے والے حالات مستقبل قریب سے تعلق رکھتے ہوں یا مستقبل بعید سے متعلق ہوں،ان کی جزوی تفصیلات ہر کتاب اور نبی نے پیش کی ہیں تا کہ امت کی راہنمائی ہر حال میں جاری رہے۔

گزشتہ کتب اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرح آخری نبی ﷺ نے اور آخری کتاب قرآن مجید نے بھی اپنے بعد آنے والے حالات کے بارے میں بارے میں امت مسلمہ کو بہت تفصیل سے بتایا ہے۔نئے آنے والے حالات اچھے ہوں یا برے ہوں،وہ دور فتن سے تعلق رکھتے ہوں یا قیامت اور اور آخرت کی نشانیوں کی طور پر ظہور پزیر ہونے والے ہوں،وہ انسانوں کے رویوں سے متعلق ہوں یا آسمانی آفات و بلیات کی پیش آمدہ اطلاعات ہوں یا آنے والے حالا ت کے تجزیے،اسباب و نتائج ہوں یا ان کے اثرات ہوں اور یا امت میں آنے والی مقدس ہستیاں ہوں یا امت کے مقابلے میں آنے والے ظالم و جابر وقاہرافراد ہوں سب کی تفصیلات قرآن مجید میں اجمالاً اور کتب حدیث میں تفصیلاً وارد ہوئی ہیں۔بعض محدثین نے تو ان حالات کے بیان کے لیے الگ ابواب باندھے ہیں۔سوال یہ ہے کہ یہ سب حالات اور افراد اہم تھے یا کسی نبی کی آمد کی اطلاع اہم تھی؟؟ ظاہر ہے مذکورہ حالات تو ایمان کا حصہ نہیں ہیں لیکن اگر کسی نبی نے آنا ہوتا تو نبی تو ایمان کا حصہ ہی نہیں بلکہ ایمان کی بنیاد ہوتا ہے۔پس اگر کسی نبی نے آنا ہوتا اور مشیت ایزدی میں کسی نبی کی بعثت اگر باقی ہوتی تو قرآن و حدیث کے مندرجات اس نبی کی اطلاعات سے بھرے پڑے ہوتے۔یہ بات بہت بڑا دستاویزی ثبوت اور نا قابل انکار شہادت اور نا قابل تردید امر ہے کہ چونکہ قرآن و حدیث میں ایسی کسی پیشین گوئی کا ذکر نہیں ہے جس میں کسی نبی کی آمد کی اطلاع ہو اس لیے اب قیامت تک کسی نبی کی آمد قطعاً نہیں ہوگی۔یہ ہو نہیں سکتا کہ ایمان و یقین جیسے نازک معاملے میں کوئی نبی اپنی امت کو یوں اندھیرے میں چھوڑ جائے۔قرآن مجید میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں کسی آنے والے نبی کا ذکر موجود ہونا چاہیے تھا مثلاً سورۃ بقرہ کے آغاز میں ہی فرمایا وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ {۲:۴} ترجمہ:’’اس پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا اور آپ ﷺ سے پہلے نازل کیا گیا اور یوم آخرۃ پر یقین رکھتے ہیں‘‘۔اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی کتاب،کوئی شریعت،کوئی نبوت و رسالت یا وحی کا کوئی سلسلہ باقی ہوتا تو اس مقام پر ضرور اس کا ذکر کیا جاتا۔بلکہ آپ ﷺ کی نبوت کے ذکر کے بعد ملحقاً آخرۃ کا ذکر کیا گیا یعنی اس نبی محترم ﷺ کے

بعد آسمان سے صرف آخرۃ کی آمد ہی ہوگی۔
محسن انسانیت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کے جملہ معیارات اخلاق کو مکمل کیا ہے، آج کئی صدیاں گزرنے کے باوجود ان معیارات میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکا۔ خاتم النبیین ﷺ نے معاشرت کو مساوات کا درس دیا، نماز جیسے پنج وقتہ عمل میں اس مساوات کو قائم کیا، امیر، غریب، عالم، جاہل اور عوام حکمران سب کو تا قیامت ایک صف میں کھڑا کر دیا اور کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ پہلی صف میں جماعت شروع ہو چکنے کے باوجود اپنے لیے جگہ کو خالی رکھوائے بلکہ پہلے آؤ پہلے پاؤ کی بنیاد پر نماز میں جگہ حاصل کرنے کا اصول دیا۔ اسی طرح حج میں بھی مساوات قائم کی سب لوگ ایک ہی لباس پہنے ایک ہی کمرے کے گرد ایک ہی رخ میں چکر لگاتے ہوئے اور ایک ہی کلمہ زبان سے ادا کرتے ہوئے حج کرتے ہیں۔ آج صدیاں گزر گئیں کسی کتنے ہی نئے نظام ہائے فکر و عمل آئے، کتنے ہی فلسفہ ہائے اخلاق آئے اور تہذیب و تمدن نے کتنی ہی ترقی کر لی لیکن انسانی معاشرے کو خاتم النبیین ﷺ کے درس مساوات سے بڑھ کر کوئی درس میسر نہ آ سکا۔ آپ ﷺ نے معاشرے کے لیے مساوات کے درس اخلاق کو مکمل کر دیا جس میں آج تک اضافہ ممکن نہ ہوسکا۔
خاتم النبیین ﷺ نے انسانی معیشیت کو سود کی ممانعت، تقسیم دولت اور حقوق کی ادائیگی کا درس دیا اور یہ درس دیا کہ ''مزدور کی مزدوری اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو'' اسکے دو مطلب ہیں، ایک تو وہی جو سمجھ آ گیا یعنی ادائیگی بروقت ہوجانی چاہیے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مزدور بھی مزدوری کرتے ہوئے اپنا پسینہ نکالے، یعنی اپنے کام کا حق تو ادا کرے۔ آج صدیاں بیت گئیں، ماضی قریب میں کیمونزم، سوشلزم یا اشتراکیت کے نام سے بہت بڑے بڑے معاشی انقلابات آئے جنہوں نے دنیا کے جغرافیے سمیت عالمی معیشیت کو نیچے سے اوپر تک ہلا مارا، انکی پشت پر تاریخی شہرت کے حامل اہل فکر و دانش کی کاوشیں کارفرما تھیں اور نسلوں کے استحصال کے بعد بہت بڑی بڑی افکار پیش کی گئیں جن کو بنیاد بنا کر لاکھوں انسانوں کے خون کی قیمت پر ان معاشی نظاموں کو نافذ کیا گیا لیکن ان سب کے باوجود بھی وہ حقوق کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی نیا درس انسانوں کے سامنے پیش نہ کر سکے، جب کہ یہی درس صدیوں پہلے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی معاشی تعلیمات میں پیش کر چکے تھے۔ آج کی تہذیب نے راتوں کو دنوں سے زیادہ روشن کر دیا لیکن معیشیت کے میدان میں سوائے اندھیروں کے کچھ نہ دے سکی اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن معاشی اخلاقی حقوق و اعلی معاشی معیارات کا تعین فرما گئے ان میں بال برابر بھی اضافہ ممکن نہ ہوسکا۔

خاتم النبیینﷺ نے مذہب کو انسانیت کا درس دیا، جنگی قیدیوں کو حق زندگی دیا، غلاموں کی آزادی کو رواج دیا، دشمنوں کو معاف کیا، قاتلوں پر انعامات کی بارش کی، رنگ، نسل، زبان اور علاقے کی بجائے اخوت کو مذہب کا وسیع البنیاد پلیٹ فارم عطا کیا، خدمت کو انسانیت کی معراج قرار دیا اور صلہ رحمی کے احکامات جاری کیے۔ ہندومت آج بھی حقوق العباد کا استحصال کرتا ہے، عیسائیت نے حقوق اللہ میں غلو سے کام لیا، یہودیوں نے محض حقوق النفس ہی ادا کیے، دنیا میں کم وبیش پچیس ہزار مذاہب پر انسانوں کے گروہ عمل پیرا ہیں لیکن تمام مذاہب افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ ان مذاہب سے تنگ آکر یورپ نے ''سیکولرازم'' کے نام پر مذہب سے روگردانی اختیار کرنا چاہی اور انسانیت کے نام سے اپنی پہچان بنانے کی کوشش کی اور اسی انسانیت کے ہی نئے معیار قائم کیے ان پر عمل پیرا بھی ہونے کی کوشش کرتے رہے اس کا حق ادا کیا یا نہیں یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن تب بھی انسانیت سے بڑھ کر کوئی نیا درس تو انہوں نے بھی پیش نہ کیا اور اسی درس کو خاتم النبیینﷺ صدیاں پہلے پیش کر چکے تھے۔ سیکولرازم نے انسانیت کے نام پر انسانیت کا استحصال کیا لیکن انسانیت کی کوئی خدمت بجا نہ لا سکی وہ انبیا علیہم السلام ہی تھے جو بغیر کسی معاوضہ کے خدمت انسانیت کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہوئے اور آخری نبیﷺ نے تو اس معیار انسانیت کو اس کے بام عروج تک پہنچا دیا اور ان ﷺ کے بعد اس میں کوئی اضافہ ممکن ہی نہ ہو سکا اگرچہ تعلیم وتہذیب کا سفر کائنات کے اسرار ورموز کی تلاش میں زمین کے مدار سے باہر بھی نکل گیا۔

خاتم النبیینﷺ نے سیاست کو ''خلافت'' کا درس دیا کہ اقتدار ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ملی ہے، خاتم النبیین ﷺ نے اپنی تعلیمات میں واضح کیا کہ اقتدار کوئی موروثی حق نہیں ہے، زور آوری اور طاقت و قوت کے بل بوتے پر حاصل ہونے والی چیز نہیں جسے ذاتی ملکیت سمجھ لیا جائے بلکہ یہ ایک اجتماعی ذمہ داری ہے جس کے بارے میں سختی سے جوابدہی کی جائے گی۔ صدیاں گزر گئیں پولٹ بیورو، پارلیمانی نظام، صدارتی نظام، بنیادی جمہوریت اور نہ جانے کتنے ہی اور سیاسی نظام اس دنیا میں آئے، کتنے ہی سیاسی مفکرین نے اپنے اپنے سیاسی افکار پیش کیے ''علم سیاسیات'' کے نام سے ایک علم وفن کی ایک شاخ بھی وجود میں آ گئی اور جمہوریت نامی سیاسی نظام سمیت کئی سیاسی نظاموں کو انسانیت نے آزما کر بھی دیکھ لیا لیکن گھوم پھر کر چکر لگا کر اسی نقطے کے گرد ہی سب نظام گھومتے رہے کہ ''اقتدار'' امانت ہے۔ کسی نے اسے عوام کی امانت کہا تو کسی نے اسے تاریخ کی امانت کہا تو کسی نے اسے آنے والی نسلوں کی

ایمان کے بعد افضل ترین نیکی خلق کو آرام دینا ہے۔

امانت کہا، خاتم النبیین ﷺ کے عطا کردہ درس سے آگے بڑھ کر کسی نے کوئی درس پیش نہ کیا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان سیاست کی تمام اخلاقیات کو ان کی معراج تک پہنچا دیا اور آپ کے مقدس وارثین نے ان سیاسی اخلاقیات کو اس زمین کے سینے پر جاری وساری و نافذ العمل کر کے ان سیاسی اخلاقی معیارات کو ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔ اس کے بعد آج تک یہ آسمان ان سیاسی اخلاقی معیارات میں کوئی اضافہ نہ دیکھ سکا۔ خاتم النبیین ﷺ نے عدالتوں کو عدل وانصاف کا درس دیا، صدیاں گزر جانے کے باوجود اور تہذیب وتمدن میں اتنی ترقی ہو چکنے کے باوجود کہ راتیں دنوں سے زیادہ روشن ہو گئی ہیں اس درس میں کوئی اضافہ آج تک نہ ہو سکا۔ خاتم النبیین ﷺ نے میدان جنگ کو جن اصولوں کا پابند بنایا ان میں آج تک کوئی اضافہ ممکن نہ ہو سکا، خاتم النبیین ﷺ نے بین الاقوامی قوانین میں برداشت ورواداری کی جوریت ڈالی اس میں یہ آسمان آج تک کوئی بڑھوتری نہ دیکھ سکا، خاتم النبیین ﷺ نے خانگی زندگی میں پیار ومحبت کا درس دیا اور نوجوانوں کو نکاح کا درس دیا ان سے زیادہ پاکیزہ درس آج تک کہیں سے ابھر نہ سکا اور ایک فرد کو تقوی کا درس دیا بھلا اس سے بہتر درس کب ممکن ہے۔ یہ سب تشریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے اور جو معیارات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائم کر گئے چونکہ ان میں اضافہ ممکن نہیں اس لیے کسی نئے نبی کی آمد بھی ممکن نہیں۔

ہماری عقل کہتی ہے کہ جس کسی نے ان معیارات اخلاق میں اضافہ کیا ہم اسے خاتم النبیین مانیں گے اور ہمارا ایمان کہتا ہے کہ اب تا قیامت ان معیارات میں اضافہ ممکن نہیں ایمان چونکہ عقل سے بڑا ہے اس لیے ہم ایمان کو عقل پر ترجیح دیں گے۔ سب انسان سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور چاہیں کہ ان تعلیمات میں کوئی اضافہ کر سکیں یا ان میں کوئی سقم ڈھونڈ کر اس کو ختم کر سکیں یا کوئی کمی تلاش کر کے اسکو پورا کر سکیں یا کسی طرح کی کوتاہی کا ازالہ کر سکیں تو اسکا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ حکم ربی ہے اور خدائی فیصلہ ہے کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا، کسی اور کا کلمہ نہیں پڑھا جائے گا اور کوئی اور ''مطاع'' اب تا قیامت پیدا نہیں ہوگا جس کسی نے اس طرح کے دعوے کیے بالاجماع امت وہ کذاب ہوگا اور امت سے خارج سمجھا جائے گا۔ تاریخ نے ایسے لوگ دیکھے اور ممکن ہے مزید بھی نظر آنے لگیں لیکن ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کا کوئی دینی و اخلاقی مقام ہوگا۔ جو کوئی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا قلاوہ اپنی گردن میں ڈالے گا وہی دنیا وآخرت میں مسلمان گردانا جائے گا۔

تاریخ اسلام میں سیکڑوں لوگوں نے نبوت کے دعوے کیے ان میں خواتین بھی شامل رہیں لیکن کل امت نے اجماعی طور پر ان کا انکار کیا۔ کہیں بھی کسی عالم دین یا کسی حق پرست گروہ

انسانیت کے بغیر انسان کا وجود قائم نہیں رہتا۔

نے ایسے مدعیان نبوت کے بارے میں کسی طرح کے نرم گوشے کا قطعاً اظہار نہیں کیا۔کل امت کی کل تاریخ میں تا شرق وغرب اور صحابہ کرام کے مقدس گروہ کے دور سے آج دن تک ختم نبوت پر کسی طرح کا سمجھوتہ دیکھنے کو نہیں ملا۔آپ ﷺ کے فوراً بعد تو کذابین کی وبا پھوٹ پڑی تھی لیکن اصحاب رسول ﷺ کے پہاڑوں جیسے ایمان نے انہیں برداشت نہ کیا اور اکثر کے ساتھ تو قتال تک کی نوبت آئی لیکن اجماع صحابہ نے اس قتال سے بھی گریز نہیں کیا۔ان مدعیان نبوت کے حالات پڑھنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ حرص ولالچ کی کثرت کے باعث شیطان نے انہیں اس راستے پر ڈال دیا۔امت مسلمہ کے مختلف الخیال گروہ ایک دوسرے کے خلاف بہت دور تک نکل جاتے ہیں اور بعض اوقات دوسرے کو خارج از ایمان سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہر گروہ میں ایک معتدل طبقہ کل امت مسلمہ کے تمام گروہوں کو مسلمان ہی سمجھتا ہے جب کہ کسی نئے نبی کو ماننے والوں کو کل امت کے کل گروہوں کے کل علما بالاجماع دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور کسی کے ہاں اس طرح کے طبقوں کے لیے 1% بھی برداشت نہیں پائی جاتی۔ ماضی قریب میں دور غلامی کے دوران کل میدان ہائے حیات میں تلبیس کے باوجود جب امت کے عقائد کو گمراہ نہ کیا جا سکا تو گورے سامراج نے عقیدہ ختم نبوت میں نقب لگانے کی ناپاک سعی کی۔امت نے ہمیشہ کی طرح آج بھی اس ناپاک سعی کے خلاف آہنی بند باندھا اور اسے کفر کے کے اندھیرے غار میں دھکیل دیا اور آئندہ بھی اس طرح کی کوئی کاوش ناقابل برداشت ہوگی تا آنکہ قیامت کا سورج طلوع ہو جائے۔

☆......☆......☆......☆

{نذرانہ عقیدہ}

گزرے شام و سحر مدینے میں
زندگی ہو بسر مدینے میں
آ گیا سوختہ پھر دل کو لیے
رہ گئی پھر نظر مدینے میں
کعبہ اپنی جگہ بجا لیکن
گھر بنے یار گھر مدینے میں
زخم دل کہ تھکی تھکی سانسیں
ہے مرا چارہ گر مدینے میں
در اقدس پہ مصطفی ﷺ کے ذرا
لے کے چل چشم تر مدینے میں
میں بھی کر لوں ذرا قدم بوسی
ہو اجازت اگر مدینے میں
لحہ لحہ بکھر رہا ہے سلیمؔ
کوئی تو دے خبر مدینے میں

(سلیم شاکر)

☆......☆......☆......☆



ماہِ ربیع الاول میں کی جانے والی بدعات

ظفر اقبال جنجوعہ

ربیع الاول کا مہینہ سایہ فگن ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی ولادت ہوئی اور اسی مہینہ میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔ ربیع الاول کا مہینہ جس قدر روحانی مسرت کا باعث ہے اسی قدر حزن وملال کا بھی احساس دلاتا ہے، آج کل ہمارے معاشرے میں بدعات وخرافات کا رواج ہے، باطل نظریات اور غلط عقائد وافکار کی حکمرانی ہے، اہل باطل ان بدعتوں پر دین کا لیبل چسپاں کر کے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور عوام اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں، رفتہ رفتہ وہ بدعتیں پھیل جاتی ہیں اور معاشرے میں اس کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔

مسلمانوں کے دلوں میں حضور ﷺ کی پیدائش کی خوشی ہونا فطری اور طبعی بات ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں بدعات وخرافات کا سلسلہ شروع کر دیا جائے جیسا کہ آج کل کیا جاتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا: تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے، ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور نئی نئی باتوں سے دور رہو؛ اِس لیے کہ دین میں ہر نئی بات (جس کا حکم نہ دیا گیا ہو) بدعت ہے۔ (مستدرک حاکم)

بعض لوگ میلاد النبی ﷺ منانے میں بہت ساری بدعات میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جشن میلاد النبی ﷺ میں رسول اللہ ﷺ حاضر ہوتے ہیں، قرآن وحدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری اور قیام کا کوئی ثبوت نہیں، یہ سراسر بدعت ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ایک روز رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لائے تو تمام صحابہؓ آپ ﷺ کے لیے تعظیماً کھڑے ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دیکھ کر کھڑے نہ ہوا کرو جیسے عجمی لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہیں، حقیقت صرف اس قدر

ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ۔

(سنن ابوداؤد)

جشن میلاد النبی ﷺ میں رسول ﷺ کی حاضری پر کھڑے ہونے والے غور کریں کہ جب اپنی زندگی میں تعظیماً کھڑے ہونے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے تو آج کس دلیل کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی آمد کا تصور کر کے یہ لوگ کھڑے ہوتے ہیں ۔

حقیت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں جشن منانا ہی سرے سے بدعت ہے ،قرآن مجید، احادیث نبویہ اور سلف صالحین سے اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ بدعت ساتویں صدی ہجری کے شروع میں سب سے پہلے فاطمی امراء کی وضع کردہ ہے جو رافضی العقیدہ تھے، سب سے پہلے میلاد منانے والی شخصیت موصل کے علاقے اربل کا ظالم، ستم شعار اور فضول خرچ بادشاہ ملک مظفرالدین ہے۔سب سے پہلے اس کے حکم سے محفل میلاد منائی گئی۔ (دول الاسلام) امام احمد بن محمد مصری اپنی کتاب القول المعتمد میں لکھتے ہیں:

اس ظالم اور مسرف بادشاہ (ملک مظفرالدین) نے اپنے زمانے کے علماء کو حکم دیا کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کریں اور اس میں کسی غیر کے مذہب کا اتباع نہ کریں تو اس وقت کے وہ علماء جو اپنے دنیوی اغراض ومقاصد کی سرتوڑ کوششیں کررہے تھے اُن کی طرف مائل ہوئے، جب اُنھیں موقع ملا تو ربیع الاوّل کے مہینے میں عیدمیلادالنبی ﷺ منانا شروع کیا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے عید میلادالنبی ﷺ منانے والا شخص ملک مظفرالدین ہے جو موصل کے علاقے اربل کا بادشاہ تھا۔

علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ شخص ہر سال میلاد پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتا تھا اس طرح اُس نے رعایا کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا اور اس کے لیے ملک وقوم کی رقم کو محفل میلاد پر خرچ کرنا شروع کیا اور اس بہانے اپنی بادشاہت مضبوط کرتا رہا اور ملک وقوم کی رقم بے سود صرف کرتا رہا۔ (فیض الباری)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: اس کی فضول خرچی اور اسراف کی حالت یہ تھی کہ وہ ہر سال میلادالنبی ﷺ پر تقریباً تین لاکھ روپے خرچ کیا کرتا تھا۔ (دول الاسلام)

ذرا اُس باطل پرست اور کج فکر کی حالت بھی سن لیجیے جس نے محفل میلاد کے جواز پر دلائل اکٹھے کیے اور بادشاہ کو اس محفل کے انعقاد کے جواز کا راستہ بتایا اس کا نام

ابوالخطاب عمرو بن دحیہ تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اُس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ شخص ائمہ کی شان میں گستاخی کیا کرتا تھا، زبان دراز، بے وقوف اور متکبر تھا اور دینی امور میں سست اور بے پرواتھا۔

(لسان المیزان)

علامہ عبدالرحمن مغربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: میلاد منانا بدعت ہے؛ اِس لیے کہ اِس کو حضور ﷺ نے منایا ہے نہ اس کے منانے کا حکم دیا ہے۔ خلفائے کرام نے میلاد منائی ہے اور نہ ائمہ نے۔ (الشریعۃ الالٰہیہ بحوالہ حقیقت میلاد)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس میلاد کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اس میں قیاس آرائی پرعمل کیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرّانی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں تحریر فرماتے ہیں: نصاریٰ میلاد عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مناتے تھے، جب مسلمانوں کی اس طرف نظر ہوئی تو دیکھا دیکھی مسلمانوں نے یہ رسم اختیار کی؛ حالانکہ سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اگر یہ جائز ہوتی اوراس کے منانے میں خیر ہوتی، تو پہلے کے لوگ جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبت رکھتے تھے اوراچھے کام کرنے کے زیادہ حریص تھے؛ وہ مناتے لیکن سلف صالحین کا میلاد نہ منانا یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ میلاد مروّجہ طریقے پر منانا درست نہیں ہے۔

اس میں لوگوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ بڑی عبادت ہے حالانکہ یہ بدعت ہے اوراس میں محرمات کا ارتکاب ہوتا ہے اور دیگر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ اگر میلاد منائی جائے اور اس میں محرمات کا ارتکاب نہ ہواور وہ تمام مفاسد نہ ہوں جو اس کے منانے میں ہوتے ہیں، تب بھی میلاد منانا بدعت ہے کیوں کہ یہ دین میں زیادتی ہے اوراسلاف کا عمل نہیں ہے۔ اگر یہ کارِخیر اور کارِثواب ہوتا تو سب سے پہلے سلف صالحین مناتے لیکن اُن کا میلاد نہ منانااس کا ثبوت ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں: بالفرض اگر آنحضور ﷺ اس دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجلس منعقد ہوتی تو آیا وہ اس پر راضی ہوتے اوراس اجتماع کو پسند فرماتے تواس سلسلے میں بندے کا یقین یہ ہے کہ وہ ہرگز اسے قبول نہ فرماتے۔ (دفتر اوّل مکتوب)

علامہ نصیرالدین الاودی الشافعی علیہ الرحمہ سے کسی نے سوال کیا کہ میلاد منانا کیسا ہے؟ توانھوں نے جواب میں فرمایا: محفل میلاد نہ

منائی جائے؛ کیوں کہ سلف صالحین نے اسے اختیار نہیں کیا ہم کیسے اختیار کر لیں۔
(القول المعتمد)

علامہ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض امیر لوگ ہر سال محفل میلاد مناتے ہیں، اس میں بہت سے ناجائز تکلّفات پائے جاتے ہیں اور یہ محفل نفس پرستوں کی ایجاد کی ہوئی ہے جن کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس چیز کا حکم دیا اور کس چیز سے منع کیا؟ اِس لیے یہ بدعت ہے۔
(القول المعتمد)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مروّجہ میلاد اور اس میں مروّجہ قیام محدثہ، ممنوعہ ہیں، جو ناجائز اور بدعت ہیں۔
(عزیز الفتاوی)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: یہ محفل چونکہ زمانۂ فخر دوعالم ﷺ میں اور زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور زمانۂ تابعین وتبع تابعین اور زمانۂ مجتہدین میں نہیں ہوئی، اِس محفل کا موجد چھ سو سال بعد کا ایک بادشاہ ہے جس کو اکثر اہل تاریخ فاسق لکھتے ہیں؛ لہٰذا یہ مجلس بدعت اور گمراہی ہے۔ عدم جواز کے واسطے یہ دلیل کافی ہے کہ قرونِ خیر میں اس کو کسی نے نہیں کیا۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: موجودہ مروّجہ میلاد ہمارے نزدیک ناجائز اور بدعت ہے۔ (امداد المفتیین)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ذکر ولادتِ نبوی شریف ﷺ مثل دیگر اذکارِ خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات وقبائح سے خالی ہو۔ اس سے بہتر کیا ہے۔ کما قال الشاعر:

وذکرک للمشتاق خیر شراب
وکل شراب دونه کسراب

البتہ جیسا ہمارے زمانے میں قیودات اور شنائع کے ساتھ مروّج ہے اس طرح بیشک بدعت ہے۔ (امداد الفتاویٰ)

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: میلاد منانا کسی کے لیے بھی جائز نہیں؛ اِس لیے کہ یہ بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ، صحابہؓ اور تابعین سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ عبداللہ بن باز)

ایک اور جگہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: عید منانا خواہ حضور ﷺ کی پیدائش پر ہو یا کسی اور کی پیدائش پر ناجائز ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طریقے پر عید نہیں منائی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عید منائی ہے، سلف امت کا بھی یہی فیصلہ رہا ہے

اور خیر اُن کی اتباع میں مضمر ہے۔

مولانا بدرعالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

مروّجہ میلاد حرام ہے؛ اِس لیے کہ یہ میلاد معاصی ظاہرہ وباطنہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں محرمات کا ارتکاب ہوتا ہے موضوع روایات پڑھی جاتی ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی ہے اور سب سے بڑی غلطی یہ کہ آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب مانا جاتا ہے اور یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں ان تمام امور کی وجہ سے اس محفل کا انعقاد حرام ہے۔

تمام علما، ائمہ، محدثین، مفسرین اور مفتیان کا اس پر اتفاق ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ منانا ناجائز اور بدعت ہے۔

جشن میلاد النبی ﷺ منانے والے دوستوں کو سوچنا چاہیے کہ خود نبی کریم ﷺ جن کے نام پر یہ جشن منایا جاتا ہے، تریسٹھ سالہ دور زندگی میں تریسٹھ مرتبہ یہ دن آیا کیا آپ ﷺ نے اپنی ولادت کے دن کوئی جشن منایا اور فرمایا کہ آؤ میرے صحابیو! اکٹھے ہوجاؤ یہ میری ولادت کا دن ہے، یارسول یا نبی کے نعرے لگاؤ، جلوس نکالو، جلسے منعقد کرو؟ اس طرح صدیقی دور خلافت میں دو دفعہ، فاروقی دور خلافت میں گیارہ مرتبہ یہ دن آیا، عثمانی دور خلافت میں بارہ مرتبہ اور علوی دور خلافت میں پانچ مرتبہ یہ دن آیا، اموی دور خلافت میں بیس دفعہ اور آخری صحابی حضرت ابوطفیلؓ کی وفات تک کئی بار یہ دن آیا، لیکن کسی ایک صحابیؓ نے جشن میلاد النبی ﷺ منانے کا اہتمام نہیں کیا، اسی طرح آئمہ اربعہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے اپنے دور میں جشن میلاد النبی ﷺ کا کبھی بھی اہتمام نہیں فرمایا، غرضیکہ پوری اسلامی تاریخ میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ بلکہ یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ثبوت نہ تو رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ میں ملتا ہے اور نہ ہی خیرالقرون میں اس کا کہیں بھی وجود ملتا ہے اور نہ ہی تبع تابعین کے اقوال وافعال سے کہیں اس کی دلیل ملتی ہے، جب زمانہ خیر القرون اس بدعت کے ذکر سے خالی ہے، تو لامحالہ یہ ”احداث فی الدین“ یعنی دین میں بدعت ہے اور تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ جشن میلاد النبی ﷺ کا موجد رافضی ہے، جشن میلاد النبی ﷺ منانے والے دوستوں کو یہ بھی یاد ہوگا کہ وہ کبھی اس روز بارہ وفات منایا کرتے تھے لیکن اب یہ تقریب جشن میلاد النبی ﷺ میں تبدیل ہوچکی ہے، جب کہ بہت سے محقق سیرت نگاروں اور مورخین کی تحقیق کے مطابق رسول کریم ﷺ کی ولادت نو (9) ربیع الاول کو ہوئی، چنانچہ ان

آپ کا اصل ساتھی اور آپ کا صحیح تشخص آپ کے اندر کا انسان ہے

میں ہندوستان کے مایہ ناز مورخ قاضی محمد سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ (مصنف رحمۃ للعالمین) علامہ محمد طلعت (مصنف دول العرب والاسلام) علامہ رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ (مصنف رسول رحمت) علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف سیرت النبی) مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف تاریخ اسلام) شاہ معین الدین احمد ندویؒ (مصنف تاریخ اسلام) مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف نبی رحمت) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ (مصنف الرحیق المختوم) شامل ہیں۔

اگر جشن میلا دالنبی ﷺ منانے والوں کا یہ موقف تسلیم کرلیا جائے کہ نبی مکرم ﷺ کی پیدائش بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے تو آپ ﷺ کی تاریخ وفات بارہ (12) ربیع الاول میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے ایسی صورت میں وفات کے روز جشن منانا کہاں کی دانشمندی اور کون سا عشق رسول ہے، آیئے آج سے ہم یہ عہد کریں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں زندگی گزاریں گے اور بدعات وخرافات سے احتراز کریں گے اور ان ساری بدعات کے خلاف صف آراء ہوجائیں گے جس کی وجہ سے شریعت خالصہ ملتبس ہوکر رہ گئی ہے۔

عید میلا دالنبی کے منانے والوں پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اکثر ایسے افراد ملیں گے جو دین سے ناواقف اور احکام شریعت سے نا آشنا ہوتے ہیں؛ لیکن جوں جوں ربیع الاوّل کا مہینہ قریب آتا ہے ان افراد میں جوش وخروش پیدا ہوتا جاتا ہے اور یہ عید میلا د النبی ﷺ منانے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ اس کو اپنے تمام گناہوں کا کفارہ گردانتے ہیں۔ ان مجالس میں جن منکرات کا ارتکاب ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔ یہ تھی عید میلا دالنبی کی حقیقت اور مروّجہ میلاد کی مجالس کے منکرات کہ اس بے دینی کو دین کہا جارہا ہے اور اسے اسلام اور مسلمانوں کے نام سے پیش کیا جارہا ہے اور سادہ لوح عوام بھی پوچھے بغیر اس کو منانے میں مصروف ہیں اور ان مجالس کے لیے زرکثیر صرف کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم تمام مسلمانوں کو خالص توحید وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بچوں اور خواتین کا ندائے اجود

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت اور خواتین کے حقوق

ایم عثمان سیال

اسلام ایک آفاقی اور فطری مذہب ہے، اس کا ایک ایک پہلو فطرت کے عین مطابق ہے، اسلام صرف مسلمان طبقہ کے لیے نہیں بلکہ پوری کائنات کی تمام مخلوقات کے لیے خیرو بھلائی اور رہنمائی لے کر آیا ہے۔ اس لیے اسلام ہر ایک طبقہ کو اس کے مرتبہ کے لحاظ سے مقام دلاتا ہے۔ اسلامی طبقے میں ایک طبقہ بچوں کا بھی ہے، اس لیے آج چند باتیں بچوں کے حوالے سے زیب قرطاس کر رہا ہوں۔ کیونکہ بچے کسی کے بھی ہوں سب کو اچھے لگتے ہیں اور ہر ایک گھر کے آنگن کی رونقیں ہوتی ہیں، ہر ایک گلشن کی ہریالیاں ہوتی ہیں اور ہر ایک ماؤں کی جھولیوں کی تروتازگیاں ہوتی ہیں، اگر کسی ماں کے بچے نہ ہوں تو مذہب اسلام کی معتبر ترین آخری اور رُشد و ہدایت کی سرچشمہ کتاب میں اللہ رب العزت نے خود ہی بتلا دیا کہ مجھ سے بچوں کی التجا کرو کیونکہ میں ہی اولاد دینے والا ہوں۔

فرمایا: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوٰجِنَا وذُرِّيّٰتِنا۔ قُرَّةَ اَعْيُنٍ۔ ترجمہ: اے ہمارے اللہ عطا فرما ہمیں ہماری ازواج میں سے اور ہماری اولاد میں سے آنکھوں کی ٹھنڈک۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بچے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں۔ اس لیے جناب سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو بچپن میں جدا کیا گیا تو بچوں کی فطری محبت جو کہ ماں باپ کے اندر ہوتی ہے وہ جوش میں آئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام روتے رہے، یہاں تک کہ آنکھوں سے بینائی بھی چلی گئی اور ہمارے پیارے آقا حضورِ اقدس رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے کس طرح پیار تھا۔ ملاحظ فرمائیے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص بچوں پر شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ گویا کہ وہ شخص امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نہیں ہے۔ یہ تو صرف

تیرے مال میں سے تیرا حصہ صرف اتنا ہے جتنا تو نے آخرت کے لیے بھیج دیا

پیار اور شفقت کی بات ہے، چہ جائیکہ مارنا، پیٹنا اور حد سے بڑھ کر یہ اقدام کرنا کہ ان معصوموں اور نونہالوں کی زندگی چھین لینا۔ یہ تو اسلام کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اور خلاف ہے۔ خادمِ رسول ﷺ سیدنا حضرت اَنسؓ نے دس سال کملی والے آقا ﷺ کی خدمت میں سعادت حاصل کی۔ فرماتے ہیں کہ ان دس سالوں میں نبیٔ رحمت ﷺ نے مجھے کبھی بھی نہیں فرمایا کہ آپؓ نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ اور نہ ہی یہ فرمایا کہ آپؓ نے یہ کام کیوں کیا؟ اور حضرات حسنین کریمینؓ کے ساتھ محبت واُلفت بھی دیکھ لیں کہ ان سے کتنا پیار اور محبت تھی اور نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ یا اللہ میں ان سے پیار کرتا ہوں تو بھی ان سے پیار کر۔

ایک مرتبہ پیغمبرِ اسلام جناب سیدنا حضرت محمد ﷺ مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ سامنے سے ننھے مُنھے معصوم جنتی جوانوں کے سردار حسنین کریمینؓ آتے ہوئے نظر آئے وہ کبھی گرتے تھے کبھی اُٹھتے تھے کبھی چلتے تھے، یہ منظر کملی والے آقا ﷺ سے دیکھا نہ گیا خطبہ چھوڑ کر منبر سے نیچے تشریف لائے اور دونوں شہزادوں کو اُٹھا لیا اور سینے سے لگا لیا، چوم کر پیار کیا پھر اپنے پاس لے آئے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ نبی اکرم سرکارِ دوعالم ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے کہ یہ دونوں شہزادے آ کر آپ ﷺ کے اوپر سجدے کی حالت میں بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے سجدے سے سر نہیں اُٹھایا بلکہ سجدے کو لمبا کر دیا۔ جب تک وہ اوپر سے نہیں اُترے تو آپ ﷺ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے گھر مبارک میں اِن ننھے شہزادوں کو اپنی کمر مبارک پر اٹھا کر چکر لگا رہے تھے تو حضرت عمر فاروقؓ تشریف لائے تو فرمایا کہ کیا ہی اچھے سوار ہیں۔ آپ ﷺ نے فوراً فرمایا کہ سواری بھی کتنی اچھی ہے۔ یہ ہادیٔ عالم ﷺ کی بچوں کے ساتھ محبت واُلفت کی انتہا ہے۔

اِن واقعات کو دیکھ کر شاید کچھ حضرات یہ کہہ دیں کہ یہ تو اپنے نواسوں کے ساتھ محبت کے واقعات ہیں، دوسروں کے بچوں کے ساتھ تو نہیں۔ نہیں، نہیں میرے بھائیو اب میں آپ کے سامنے ایک نمونہ کے لیے واقعہ بھی لکھ رہا ہوں کہ بچوں سے ہمارے آقا ﷺ کو کتنا پیار تھا کہ ایک مرتبہ عید کا دن تھا۔ حضور اقدس رحمت دوعالم ﷺ نمازِ عید پڑھانے

اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس امر میں تمہارے لیے بہتری ہے۔ (القرآن)

کے لیے عید گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں کچھ بچوں کو دیکھا کہ خوبصورت لباس والے اور خوبصورت شکلوں والے نہایت ہی خوشی و مسرت کے ساتھ کھیلتے کودتے عید گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ لیکن ایک بچہ غمگین و اداس صورت کے ساتھ میلے کچیلے کپڑوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ تو آپ ﷺ اس بچے کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے آج عید کا دن ہے آپ نہائے نہیں اور نہ ہی صاف ستھرا لباس پہنا ہے اور آپ کو عید کی خوشی بھی نہیں ہے کیا؟

تو بچہ روتے ہوئے بولا کہ میں نئے کپڑے کیسے پہنوں اور خوشی کیسے مناؤں کیونکہ میرے تو ماں باپ اس دنیا فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اس بچے کی اُنگلی پکڑی اور اپنے دولت کدہ میں لے آئے اور امّ المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اس بچے کو نہلاؤ۔ صاف ستھرے کپڑے پہناؤ اور ساتھ ہی بچے کو فرمایا کہ آج کے بعد میں محمد ﷺ آپ کا باپ ہوں اور حضرت عائشہؓ آپ کی ماں ہیں۔ کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ بچے جن کے باپ امام الانبیاء ﷺ ہوں اور ماں کائنات کی ماں حضرت امّی عائشہ صدیقہؓ ہوں۔

میرے محترم دوستو، بچوں پر شفقت کرنا ہمارے اسلام کا حصہ ہے۔ المختصر، اللہ رب العزت تمام بے اولاد لوگوں کو اولاد صالح عطا فرمائیں اور جن کے بچے ہیں ان کو والدین کی ٹھنڈک بنائیں اور مستقبل کے اسلامی علم بردار بنائیں۔

(اسلام میں عورت کے حقوق)

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد عورت کو وہ مقام ملا جس کا اس سے قبل تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کیوں کہ زمانۂ جاہلیت میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی، عورت ایک حقیر ترین مخلوق بن کر رہ گئی تھی، قدیم مانہ میں عورت کو شیطان کی بیٹی اور نجاست کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا وہ غلاموں کی طرح بازار میں بیچی جاتی تھی، میراث میں اس کا کوئی حق نہ تھا، رومیوں نے عورت کو جانور کا مقام دیا تھا۔ نکاح کو عورت کے خریدنے کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ معمولی قصور پر عورت قتل کر دی جاتی تھی۔

اہلِ عرب زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، یہودیوں کے ہاں کافی عرصہ اس بارے میں اختلاف رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں، بہت سوں کا خیال تھا کہ عورت ایک انسان نما حیوان ہے جسے مردوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ہندو، عورت کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم

زمین ماں کی مانند ہے اس کی جتنی حفاظت کرو گے اتنا پھل پاؤ گے

نہیں کرتے تھے، شوہر مر جاتا تو بیوی کو بھی شوہر کی چتا پر زندہ جل کر مر جانا پڑتا تھا۔ عیسائیوں کے ہاں عورت کی کیا قدرو قیمت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ ۵۸۲ء میں کلیسا کی ایک مجلس نے فتویٰ دیا تھا کہ عورتیں روح نہیں رکھتی۔ عجیب اتفاق ہے کہ جب کلیسا یہ فتویٰ جاری کر رہا تھا، اس سے چند سال پہلے جزیرۃ العرب میں وہ آخری نبی پیدا ہو چکا تھا جو تمام کچلے ہوئے انسانوں کے حقوق کا محافظ تھا۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو ذلت اور پستی کی گہرائیوں سے اٹھایا اور عظمت اور رفعت کے بلند مقام پر فائز کر دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کی چار حیثیتیں متعین کر دی۔

☆ ایک حیثیت یہ بتائی کہ عورت تمہاری بیٹی ہے تو تم اس بیٹی کی تربیت کرو اور جنت پاؤ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ جو شخص دو بیٹیوں کی بہترین پرورش و تربیت کرنے کے بعد ان کا نکاح کر دے تو وہ میرے ساتھ جنت میں اکٹھے ہوگا۔

☆ دوسری حیثیت یہ بتائی کہ عورت تمہاری بہن ہے اگر اس کا باپ نہیں ہے تو پھر ذمہ داری تیرے اوپر ہے۔

☆ تیسری حیثیت یہ بتائی کہ اگر عورت تیری بیوی ہے تو اس کا سارا خرچہ (رہائش، لباس، کھانا پینا) اور اس کا تحفظ تیرے ذمہ ہے گویا اس کو گھر کی ملکہ کا درجہ دے دیا اور شوہر کو بیوی کے تمام حقوق کی پاسداری کا پابند فرما دیا۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھی حیثیت یہ بتائی کہ اگر عورت تیری ماں ہے تو جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔ ارشاد فرمایا: الجنۃ تحت اقدام الامہات۔ ترجمہ: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (مشکوٰۃ)

تو اسلام نے عورت کی چار حیثیتیں بتا کر عورت کا سر بلند کر دیا۔ آپ کو دیگر مذاہب میں جو عورت کو مقام دیا گیا تھا اس کی تھوڑی سی جھلک بھی دکھائی اور اسلام نے عورت کو جو مقام، جو حقوق اور تحفظ دیا وہ بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

(شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

دیکھی نہیں کسی نے اگر شانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دیکھے کہ جبرائیل ہے دربانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
لطفِ خدائے پاک کی تصویر کھنچ گئی
پھرنے لگے جب آنکھ میں احسانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اسلام کا زمانہ میں سکہ بٹھا دیا
اپنی مثال آپ ہیں یارانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رکھے وہ یاد خسرو پرویز کا حال
پہنچا ہے جس کے ہاتھ میں فرمانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
میری ہزار جاں ہو قربانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رشتہ میرا خدا کی مخلوق سے ٹوٹ جائے
چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ادارہ

بسلسلہ اسلامی معلومات

بچوں کا ندائے اجود

سوال: دنیا میں کس شخص کو پوری انسانیت کیلئے نمونہ کہا گیا ہے؟

جواب: اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوئہ حسنہ"

سوال: نبی رحمت ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کے بارے میں قرآنی آیت کا حوالہ دیں؟

جواب: اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (سورۃ الانبیاء)

سوال: اسوہٴ کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: ایسا کامل اور جامع نمونہ جس کی تقلید کی جا سکے

سوال: حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر کون سی مساجد تعمیر کیں؟

جواب: مسجد نبوی، مسجد قبا

سوال: حضور ﷺ کس سن عیسوی میں پیدا ہوئے؟

جواب: 20 اپریل 571ء

سوال: حضور ﷺ مکہ کے کس محلہ میں پیدا ہوئے؟

جواب: محلہ سوق اللیل

سوال: حضور ﷺ کے دادا کا نام بتائیں؟

جواب: عبدالمطلب

سوال: حضور ﷺ کے نانا کا نام بتائیں؟

جواب: وہب بن عبدالمناف

سوال: حضور پاک ﷺ کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کس لیے کیا گیا تھا؟

جواب: خالص عربی سیکھنے کے لیے اور کھلی ہوا میں پرورش پانے کے لیے۔

سوال: حضور ﷺ کا نام احمد کس نے رکھا؟

جواب: حضرت آمنہؓ نے۔

سوال: ابوالقاسم کس کی کنیت ہے؟

جواب: حضور پاک ﷺ کی۔

سوال: حضور ﷺ کس مہینہ میں پیدا ہوئے؟

جواب: ربیع الاوّل میں۔

سوال: حضور ﷺ کا عقیقہ کس عمر میں کیا گیا؟

جواب: 7 دن

سوال: حضور ﷺ کی پرورش کتنے سال تک حلیمہ سعدیہ نے کی؟

جواب: 6 سال تک

سوال: شام کے پہلے سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ کون تھے؟

جواب: حضرت ابوطالبؓ

سوال: حضرت آمنہؓ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری کس نے قبول کی؟

جواب: حضرت عبدالمطلبؓ نے۔

مقام حاصل کرنا ہے تو نسل انسانی کے سچے خیر خواہ بنو۔



قصیدۃ الورد
(باسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

محمد حنیف اثر

حمد رب کی ہے لج پال کی نعت ہے
رحمت حق نے دی ہم کو سوغات ہے

وہ مُحَمَّدٌ ہیں اَحْمَدٌ اَحِیْدٌ نَبِیٌ
ہیں وہ مَحْمُودٌ جو آپ کی ذات ہے

مُصْطَفیٰ مُرْتَجٰی مُرْتَضٰی مُجْتَبیٰ
اللہ کو بھی پسند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

طَابَا طَابَا وہ ہیں سَرْخَلِیْطَسْ وہ ہیں
جو اطاعت میں خوش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

اَحْسَنُ النَّاسِ وہ اَبْلَجُ زَاہِرُ
سارے جگ سے حسن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

مَانِحُ جَوَّادُ اَبْذَلُ النَّاس ہیں
سب جہاں سے سخی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

اَبْطَحِیٌّ وہ ہیں ذُوالْمَدِیْنَة وہ ہیں
مکی مدنی جو ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

حَاتَمٌ نَاضِرٌ اَحْسَنٌ فَدْغَمٌ
خوب صورت ترین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

اٰخِرٌ خَاتِمٌ عَاقِبٌ نَاسِخٌ
آخری جو نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

خَافِضٌ غَافِرٌ اُمَةٌ دَهْتَمٌ
نرم خو پیشوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

بَالِغٌ صَادِعٌ حَاکِمٌ اٰمِرٌ
حکم دینے والی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے

بَارِعٌ اَعْظَمٌ اَکْرَمٌ اَفْضَلُ
سب سے افضل نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

مُخْتَمٌ اِکْلِیْلُ صَاحِبُ التَّاجِ
تاج والے نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

اَهْدَبُ الْاَشْقَارِ صَاحِبُ الْبُرْدَةِ
کالی کملی والی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

صَادِقُ الْوَعْدِ وہ وَاعِدٌ نَاجِزٌ
عہد کی باوفا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

اَبْیَضٌ اَشْنَبٌ اَدْعِجٌ اَذْهَرُ
سب سے روشن نگیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

ظَاہِرٌ مُفْخَمٌ بَاہِرٌ غَالِبٌ
سب پہ غالب نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

مِخْضَمٌ مِضْخَمٌ مُضْخَمٌ سَیِّدٌ
سب کے سردار جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

اَصْدَقُ فِی اللّٰہِ صَادِقُ لَہْجَةٍ
سب سے سچے نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

مُظْفُرٌ مُعْلِنٌ مُظْہِرٌ کَامِلٌ
کامیاب و کامل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے

پوشیدہ طور پر صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ (الحدیث)

اَشْجَعُ النَّاسِ وہ ضَیغَمْ مُنْجِدْ
وہ بہا در نبی آپ ﷺ کی ذات ہے
خَاشِعْ مَرْعُوْب خَاضِعْ خَائِفْ
غرقِ خوفِ خدا آپ ﷺ کی ذات ہے
اَرْحَمُ النَّاسِ وہ رَحْمَةُ الْاُمَّةِ
رحمتوں سے بھری آپ ﷺ کی ذات ہے
صَاحِبِ الْمَشْعَرِ صَاحِبِ الْمَحْشَرِ
جو ہے محشر والی آپ ﷺ کی ذات ہے
صَاحِبِ الْمُغْنَمِ صَاحِبِ الْکَوْثَر
حوضِ کوثر والی آپ ﷺ کی ذات ہے
قَائِدُ السَّالِکِیْن قَائِدُ الذَّاهِدِیْنْ
رہنما زاھدیں آپ ﷺ کی ذات ہے
صَاحِبِ البُرْهَانِ صَاحِبِ الْقُرْآنِ
برہاں قرآں والی آپ ﷺ کی ذات ہے
اَوَّلُ الْمُؤْمِنِین اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْں
سب سے پہلے مومن آپ ﷺ کی ذات ہے
اَوَّلُ الشَّافِعِ اَوَّلُ الْعَابِدِیْں
بندگی میں اوّل آپ ﷺ کی ذات ہے
اَکْرَمُ الْاَوَّلِیں اَکْرَمُ الْاٰخِرِیْں
سب سے عزت والی آپ ﷺ کی ذات ہے
صَاحِبِ الْمِعْرَاجِ صَاعِدُ الْمِرَاجِ
سیڑھی پر چڑھ گئی آپ ﷺ کی ذات ہے
صَاحِبِ الْمِزَارِ صَاحِبِ الشَّمْلَةِ
دھوتی چادر والی آپ ﷺ کی ذات ہے
ذُوالْکُتُبِ الْمُبِیْں حُجَّةُ الْبَالِغَهْ
ایک روشن دلیل آپ ﷺ کی ذات ہے

سَیِّدِ الْمُؤْمِنِیں سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْں
سردارِ مرسلیں آپ ﷺ کی ذات ہے
صَاحِبِ اُخَاتَمِ خَاتَمَ الْمُرْسَلِیْں
مہرِ ختمِ رسل آپ ﷺ کی ذات ہے
صَاحِبِ السُّلْطَانِ صَاحِبِ النَّعْلَیْنِ
سونے جوڑے والی آپ ﷺ کی ذات ہے
قَائِدِ الْعَارِفِین قَائِدِ الْمُرْسَلِیْن
رہنما مرسلاں آپ ﷺ کی ذات ہے
قَائِدالصَّابِرِیْن قَائِدِ الْمُؤْمِنِیْن
پیشوا مومنیں آپ ﷺ کی ذات ہے
قُدْوَةُ الصُّوْفِیاقَیِّمُ السُّنَنِ
سنتوں کی عطا آپ ﷺ کی ذات ہے
سَیِّدُ النَّاسِ و صَاحِبِ الْمِنْبَرِ
وہ جو منبر والی آپ ﷺ کی ذات ہے
مَامُوْنٌ صَالِحٌ کَاسِبِ الْمَعْدُوْمِ
کام بیکاروں کی آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ سِرَاجُ الْمُنِیْر وہ ہیں مِصْبَاحٌ
روشنی کے چراغاں آپ ﷺ کی ذات ہے
مَاجِدٌ رَحْمَةٌ مَحْبُوْب مَخْتُوْنٌ
قدرتی ختنے سے آپ ﷺ کی ذات ہے
کَافَّةُ النَّاسِ وہ مُنْعَمْ مِعْطَآءٌ
ہے عطا جن جن کی یہ آپ ﷺ کی ذات ہے
مُتَّقِیٌ مُخْتَفِیٌ مُرْغِب مُصْلِحٌ
سب کی اصلاح لیے آپ ﷺ کی ذات ہے
مُعْقَب نَاصِب ضَارِعْ بَالِسٌ
عاجزی والی بھی آپ ﷺ کی ذات ہے

یہ ضروری نہیں کہ جو کوئی خوبصورت ہو نیک سیرت بھی ہوگا، کام کی چیز اندر ہوتی ہے باہر نہیں

فَاضِلْ قَارِنْ قَائِمْ کَاظِمْ
غصہ پینے والی آپ کی ذات ہے
مُنقِذْ مُنْذِرْ مُقْرِعْ مُقْسِمْ
قسم دینے والی آپ ﷺ کی ذات ہے

فَاضِلْ قَارِنْ قَائِمْ کَاظِمْ
غصہ پینے والی آپ کی ذات ہے
اَعْدِلُ النَّاسِ وہ مُقْسِطْ مُنْصِفْ
وہ جو منصف نبی آپ ﷺ کی ذات ہے

مُنْفِذْ مُفْلِحْ مُهْدِرْ کَاشِرْ
ہے تبسم بھری آپ ﷺ کی ذات ہے
مُقْنِعْ مُمْهِلْ اَوْصَلُ النَّاسِ وہ
ڈھیل دینے والی آپ ﷺ کی ذات ہے

قَائِدْ جَبَّارْ فَائِقْ مُغْنَمْ
شان اونچی والی آپ ﷺ کی ذات ہے
اَرْجَحُ النَّاسِ وہ اَرْاَفُ النَّاسِ وہ
مہرباں سب پہ جو آپ ﷺ کی ذات ہے

تَلْقِیْظْ وَاجِدْ سَالِمْ مَعْصُوْمْ
عیب سے پاک بھی آپ ﷺ کی ذات ہے
مُرْشِدْ قَائِتْ قَانِتْ مُخْلِصْ
جو ہے مخلص بڑی آپ ﷺ کی ذات ہے

مُخْبِرْ مُخْبِتْ مُخْبِرُ الْغَیْبْ وہ
خبریں دینے والی آپ ﷺ کی ذات ہے
اَطْیَبُ الذِّکْر وہ دَائِمُ الذِّکْر وہ
ہر لمحے ذکر میں آپ ﷺ کی ذات ہے

اَصْبَرُ النَّاسَ وہ دَائِمُ الصَّبْرِ وہ
ہے جو صابر ترین آپ ﷺ کی ذات ہے
رَاغِبْ ثَانِیَ الثِّنَیْنِ وہ
ایک دو میں سے جو آپ ﷺ کی ذات ہے

اَشْرَفُ النَّاسِ وہ اَطْیَبْ اَطْهَرْ
سب سے اشرف جو ہے آپ ﷺ کی ذات ہے
نَاسِکْ نَاسِخْ نَاشِرْ مُقْرِئْ
سبق دینے والی آپ ﷺ کی ذات ہے

دَامِغْ خَالِصْ اَثْبَتُ النَّاسِ وہ
سب سے ثابت قدم آپ ﷺ کی ذات ہے
ذَاکِرْ طَیِّبْ دَائِمُ الطِّیْبِ وہ
مہکی خشبو سے جو آپ ﷺ کی ذات ہے

زَاهِدْ عَابِدْ اَزْهَدُ النَّاسِ وہ
زہد وتقویٰ بھری آپ ﷺ کی ذات ہے
نَاصِحْ غَافِرْ هِمَّةُنِعْمَة
وہ جو انعام رب آپ ﷺ کی ذات ہے

بَرْقَلِیْطَسْ رَادِئْ فَارِقْ فَارُوْقْ
فرق کرنے والی آپ ﷺ کی ذات ہے
وَاضِعْ وَاجِدْ وَاسِعْ وَاصِلْ
ہے بلندی پہ جو آپ ﷺ کی ذات ہے

مُخْتَارْ مُقْتَدِئْ مُخْتَمْ مَعْلُوْمْ
سب میں جانی گئی آپ ﷺ کی ذات ہے
رَاکِبِ الظَّرْبِ وہ رَاکِبِ الدُّلْدُلِ
ظرب و دُلدُل سوار آپ ﷺ کی ذات ہے

اَعْلَمُ بِاللهِ طَاهِرْ مُغْرَمْ
عاشقِ عزّ وجل آپ ﷺ کی ذات ہے
رَاکِبِ النَّاقَةِ رَاکِبِ رَفْرَفِ
ناقہ رفرف سوار آپ ﷺ کی ذات ہے

جو کوئی اپنی کمائی سے روٹی کھاتا ہے اسے حاتم طائی کا احسان اٹھانا نہیں پڑتا

رِضْوَانُ اللّٰهِ وہ دَائِمُ الْفِكْر ھیں
اللہ کی جو رضا آپﷺ کی ذات ہے
قَاسِمُ التَّمْرِ وہ قَاسِمُ الذَّهَبِ وہ
بانٹتی سونا جو آپﷺ کی ذات ہے
قَائِدُ الْأَنْبِيَاء قَائِدُ الْخَيْرِ وہ
خیر کے پیشوا آپﷺ کی ذات ہے
اَرْجَحْ اَمْجَدْ اَنْفَسْ اَحْشَمْ
شان والے نبی آپﷺ کی ذات ہے
خَازِنْ خَاتَمْ اَوْسَطْ اُمِّيّ
جو ہیں امّی لقب آپﷺ کی ذات ہے
مَعِيّ مِفْضَالْ مَنْعُوْتْ وَالِدْ
سب کے والد جو ہیں آپﷺ کی ذات ہے
حَافِظْ جَحْفَلْ اَجْوَدْ حَمَّادْ
صفت جن کی بہت آپﷺ کی ذات ہے
ذُوْ عَطَايَا ھیں وہ ذُوْ الْوَسِيلَة ھیں وہ
بخش کرنے والی آپﷺ کی ذات ہے
اَكْبَرُ النَّاسِ وہ اَكْرَمُ النَّاس ھیں
ہے معزز ترین آپﷺ کی ذات ہے
زَمْزَامِيّ وہ ھیں ذُو الْهِرَاوَة وہ ہیں
موٹی لاٹھی والی آپﷺ کی ذات ہے
اَنْجَدُ النَّاسِ وہ اَمْنَعُ النَّاسِ وہ
رعب جن پہ نازاں آپﷺ کی ذات ہے
لَوْ ذَعِيّ غَطَمْطَمْ حَكِيمْ وہ ھیں
دانائے کلِ جہاں آپﷺ کی ذات ہے
مِنَّةُ اللّٰهِ وہ اَنْعَمُ اللّٰهِ وہ
رب کا انعام جو آپﷺ کی ذات ہے

مُرْتَجِيّ ضَمِيْنْ رَضِيّ ھیں وہ
راضی اللہ سے جو آپ کی ذات ہ
اَنْفَعُ النَّاسِ وہ حَاشِرْ حَائِدْ
نافع امت جو ہیں آپﷺ کی ذات ہے
بَاطِنْ جَائِعْ جَامِعْ حَامِيّ
حامیِٔ بے کساں آپﷺ کی ذات ہے
رَاسِخْ رَاكِعْ سَابِقْ سَاجِدْ
سجدوں کی انتہا آپﷺ کی ذات ہے
رَاضِعْ رَافِعْ سَائِقْ رَامِحْ
نیزہ بردار جو آپﷺ کی ذات ہے
شَافِعْ شَارِعْ شَاهِدْ شَاكِرْ
شکر والے نبی آپﷺ کی ذات ہے
قَاضِيْ زَاجِرْ ضَابِطْ عَادِلْ
عدل کے بادشاہ آپﷺ کی ذات ہے
عَامِلْ كَافَّةْ كَامِلْ رَاضِدْ
جو ہیں پختہ جواں آپﷺ کی ذات ہے
عَالِمْ غَانِمْ قَاسِمْ عَارِفْ
علم بھی بانٹتی آپﷺ کی ذات ہے
لَائِمْ لَاعِنْ لَطِفْ اَغْيَرْ
جن کی غیرت بڑی آپﷺ کی ذات ہے
اَخْشىٰ لِلّٰهِ وہ اٰيَةُ اللّٰهِ وہ
اللہ کے وہ نشاں آپﷺ کی ذات ہے
مُسْتَعِيذْ وہ ھیں مُسْتَغِيثْ وہ ھیں
ہیں جو فریاد رس آپﷺ کی ذات ہے
عُمْدَة عِصْمَة غَارِسْ فَاتِحْ
فاتحِ بحرو بر آپﷺ کی ذات ہے

مُرْتَدِیْ مَکِیْنْ مَلَاذْ وہ ھیں
سوہنی چادر والی آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ دَلِیْلْ حَنِیْف دَھِیْنْ غَادِیْ
بھیگی زلفوں والی آپ ﷺ کی ذات ہے
دَعْوَۃِاِبْرَاھِیْم وہ ھیں مُغْرَمْ
جو دعا ابراہیم آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ کَلِیْمْ کَفِیْلْ کَحِیْلْ رَائی
سرگیں چشم جو آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ بَھِیّ وَسِیْمْ مَلِیْح بَاھِیْ
حسن کی انتہا آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ صَبِیْحْ وَحِیْدْ اَغَرّ تَالِیْ
جن کا ماتھا روشن آپ ﷺ کی ذات ہے
مُسْتَجَاب صَفُوْح خَلِیْلْ رَاحِم
سب کے جانی جو ہیں آپ ﷺ کی ذات ہے
مُسْتَقِیْمْ لَطِیْف مَعِیْنْ وَالِیْ
ہیں مددگار جو آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ مَتِیْنْ مَسِیْحْ مَشِیْخْ قَارِیْ
سینہ جن کا کھلا آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ مُنَقّٰی مَاحِی مَمْنُوْعْ مَحْفُوْظْ
جو ہیں محفوظ بھی آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ اِمَامُ النَّبِیِّیْنْ عَیْنْ غَاضْ
نیچی نظروں والی آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ غَفُوْرْ غَنِیّ فَلَاحْ وَافِیْ
سب سے اکمل نبی آپ ﷺ کی ذات ہے
ہیں سَخِیّ غِیَاثْ قَثُوْمْ رَاعِیْ
جو سخاوت بھری آپ ﷺ کی ذات ہے

ہیں ھُمَامْ نَقِیْب ﷺ وَجِیْہْ زَیْنْ
رعب جن سے عیاں آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ کَرِیْمْ کَبِیْرْ قَرِیْبْ اَوْلیٰ
اللہ کے جو قریب آپ ﷺ کی ذات ہے
ھیں وَصُوْلْ مُحَبّ مُحِبّ نَاسْ
سب کے محبوب جو آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ نَجِیْب نَجِیْدْ نَذِیْرْ رَاجِنْ
ڈر سنانے والی آپ ﷺ کی ذات ہے
ھیں مُشِیْرْ مُصِیْبْ مُصَابْ غَازِیْ
جن کو تکلیفیں دیں آپ کی ذات ہے
وہ نَقِیّ وَفِیّ مَلِیّ مَاْوٰی
جو غنی باللہ ہیں آپ ﷺ کی ذات ہے
ھیں یَتِیْمْ رَسُوْلْ نَبِیّ عَفْ
جو رسول و نبی آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ رَئُوْف رَقِیْب رَفِیْق رَاحِمْ
دوست و نگہباں آپ ﷺ کی ذات ہے
ھیں تَقِیّ حَفِیّ حَبِیْب صَافِیْ
جو محبت ہی ہے آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ حَفِیْظْ ثِمَالْ حَرِیْص صَیِّنْ
مومنوں پر حریص آپ کی ذات ہے
ھیں حَسِیْب تِھَامِیْ حِجَازِی فَھِمْ
وہ حجازی جو ہیں آپ کی ذات ہے
وہ شَرِیْف شَفِیْق شَفِیْع عَافِیْ
جو شفیق و شفیع آپ ﷺ کی ذت ہے
اَجْرَاُ النَّاسِ صَدْرًا حَبَنْطَا وہ ھیں
جن میں جرأت بڑی آپ ﷺ کی ذات ہے

غلطی کرنا انسان کی فطرت اور معاف کرنا خدا کی فطرت ہے

اَصدَقُ النَّاسِ لَهجَةِِ بُشرىٰ عِيسىٰ
جو بشارت عیسیٰ آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ كَثِيرُ الْبِشَارَتُ مَعْرُوْفُ هيں
ہے بشارت بھری آپ ﷺ کی ذات ہے
دَائِمُ القحُزَنْ وہ دَائِمُ الزهْد هيں
زہد و تقویٰ والی آپ کی ذات ہے
دَائِمُ الشَّوْق وہ دَائِمُ الْبِشْرْ وہ
جن سے خوشیاں ملیں آپ ﷺ کی ذات ہے
وہ بَيانٌ ضَحُوْكٌ ضَحَاكٌ اِجِیْ
ہنس مکھ جن کا ہے آپ کی ذات ہے
هيں عَلِيْمٌ بَشِيْرٌ خَبِيْرٌ رَاحِلٌ
خبر رکھنے والی آپ کی ذات ہے
ہیں مُطَاعٌ مُطِيعٌ مُصَفّٰی بھی وہ
انتخابِ خدا آپ ﷺ کی ذات ہے
پیکرِ حسن جن کی مثال ہی نہیں
وہ بَدِيعٌ زَاهِیٌ آپ ﷺ کی ذات ہے
آرزو ہے مری آپ ﷺ کی دید ہو
کتنی ہی مہرباں آپ ﷺ کی ذات ہے
قبر میں میں یہ کہہ دوں نکیرین کو
آخری جو نبی آپ ﷺ کی ذات ہے
آپ کا ساتھ ہو حشر میں اے نبی ﷺ
ساتھ دینے والی آپ ﷺ کی ذات ہے
ہو سفارشمری حشر میں آپ ﷺ سے
کہ شفیع مذنبیں آپ ﷺ کی ذات ہے
طوق جن کی غلامی کا میرے گلے
میں ہو آقا مرے آپ کی ذات ہے

میری پہچان تیری غلامی سے ہو
میرا ملجا ماویٰ آپ ﷺ کی ذات ہے
آپ ﷺ کے ہاتھوں سے آبِ کوثر پیوں
کہ پلانے والی آپ ﷺ کی ذات ہے
باغ میں بھی کروں آپ ﷺ کی چاکری
جن کی باندی ہوں میں آپ ﷺ کی ذات ہے
میرے اعمال آڑے نہ آئیں مرے
کتنی شفقت بھری آپ ﷺ کی ذات ہے
آپ ﷺ کا رتبہ عالی نہ دوری کرے
قرب جن کا ملے آپ ﷺ کی ذات ہے
مانگنے کا سلیقہ نہیں ہے مجھے
دینے والی سخی آپ ﷺ کی ذات ہے
اے خدا تو بچالے غم و فتن سے
کہ بچانے والی آپ ﷺ کی ذات ہے
ساری مخلوق سارے جہانوں کے رب
وحدہٗ لاشریک آپ ﷺ کی ذات ہے
ہر لمحہ میں سوالی ترے در کا ہوں
جو عطا کرتی ہے آپ کی ذات ہے
ماسوا آپ کے کوئی مالک نہیں
سب کا خالق تو بس آپ کی ذات ہے
تیری رحمت کا مولا طلب گار ہوں
ہے رحیم و کریم آپ کی ذات ہے
ہو قبول اے خدا یہ قصیدہ مرا
کرنے والی عطا آپ کی ذات ہے
تیرے محبوب پہ اثرؔ بھیجے سلام
جیسے ہے بھیجتی آپ کی ذات ہے

بے کار نہ بیٹھو اس سے زندگی کی پریشانیاں بڑھتی ہیں

حسب سابق امسال بھی نومبر 2019ء ماہ ربیع الاول کا خصوصی شمارہ

سید الاوّلین والآخرین

محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

کی بارگاہ اقدس میں سرخروئی کے حصول کے امیدوار بنتے ہوئے

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر

قارئین ''ندائے اجود'' کے لیے

گلدستہ عقیدت

کی شکل میں پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین (۱) مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ (۲) قارئین سے اپیل ہے کہ اس خوبصورت گلدستہ کا دلی محبت کے ساتھ اور ذوق وشوق سے مطالعہ فرمائیں۔ پوری کوشش کی گئی ہے کہ کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں کوئی غلطی نہ رہے مگر کہیں آپ کو کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے تو اصلاح کی غرض سے ہمیں ضرور آگاہ فرمائیں اور بشری تقاضے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بحیثیت انسان اگر کوئی مس پرنٹنگ، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی غلطی رہ جائے تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ (منجانب: ایڈیٹر، سب ایڈیٹر و کمپوزر)

قارئین سے التماس

قارئین ماہنامہ ''ندائے اجود'' سے پرزور التماس ہے کہ مفتی محمد حسنؒ (بانی جامعہ اشرفیہ مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحبؒ اور چیف ایڈیٹر صاحب کے والد حضرت مولانا محمد عبیداللہ قاسمیؒ والدہ محترمہ، نانا، نانی، دادا، دادی و جملہ مرحومین عزیز واقارب کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین) منجانب: ادارہ

ممبر شپ کارڈ

ماہنامہ ندائے اجودؒ لاہور

نمبر شمار ______ تاریخ ______

درج ذیل ترتیب سے "ندائے اجود" مجھے مہیا کیجئے۔

دو سال (بمعہ ڈاک خرچ)	(24 شمارے) 60 روپے فی شمارہ	رعایتی قیمت	1400
ایک سال (بمعہ ڈاک خرچ)	(12 شمارے) 60 روپے فی شمارہ	رعایتی قیمت	700

رقم ادائیگی کا طریقہ کار	منی آرڈر	بذریعہ چیک بنام ______
ماہانہ مطلوبہ شماروں کی تعداد	نقد	رقم مبلغ ______
جدید خریدار	تجدید خریداری	خریداری نمبر ______

نام ______ پتہ ______

______

فون نمبر ______ ای میل ______ فیکس ______

نام ______ پتہ ______

______

فون نمبر ______ ای میل ______ فیکس ______

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں تحریراً آگاہ کریں۔ رقم ارسال کرتے وقت ہمراہ یہ کارڈ بھی لف کیجئے۔

آفس 310 اشرفیہ پلازہ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن لاہور
Ph:+92-42-37428389,Fax:042-37428387
E-mail:nidae.ajwad@yahoo.com

ممبر شپ کارڈ

اُمِّ حبیبہ ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

الصدقة ترد البلاء صدقہ مصیبتوں سے بچاتا ہے۔ الحدیث

نمبر شمار ________ تاریخ ________

(ام حبیبہ ویلفیئر ٹرسٹ کے اغراض ومقاصد)

☆ دکھی انسانیت کی مدد کرنا۔ ☆ بیواؤں کو راشن فراہم کرنا۔ ☆ نادار مریضوں کا علاج معالجہ میں تعاون کرنا۔ ☆ غریب بچیوں کی شادیوں میں مالی اعانت کرنا۔ ☆ مفلس اور یتیم بچوں بچیوں کے لیے حصول تعلیم میں تعاون کرنا۔ ☆ میت کی تجہیز وتدفین کے انتظامات میں حصہ لینا۔ ☆ مستحقین اور نادار لوگوں کو ماہانہ وظیفہ دینا اور راشن تقسیم کرنا۔ ☆ تعمیر ہسپتال اور تعمیر مسجد میں معاونت کرنا۔ ☆ آفت زدہ علاقوں میں امداد فراہم کرنا۔ ☆ دینی مدارس کے ساتھ مالی تعاون کرنا۔ ☆ یتیم بچوں اور بچیوں کی کفالت کرنا۔ ☆ رمضان اور عیدین کے موقع پر غریب لوگوں کو نئے سوٹ، جوتے ودیگر اشیاء ضروری بمع راشن مہیا کرنا۔ ☆ عوام الناس کی فلاح وبہبود کے منصوبوں پر کام کرنا وغیرہ وغیرہ۔

رمضان پیکج غریب ونادار لوگوں کے لیے خصوصی رمضان پیکج تیار کیا جاتا ہے جس کی تقسیم وائس چیئرمین خود اپنی نگرانی میں کرواتے ہیں۔

مخیر حضرات سے اپیل

مخیر حضرات سے درخواست ہے کہ "ام حبیبہ ویلفیئر ٹرسٹ" کے دست وبازو بنتے ہوئے دل کھول کر اپنے زکوۃ، صدقات، عطیات، سے تعاون فرما کر غریب، مفلس، نادار، یتیم، بیوہ گان، و مستحقین کا سہارا بنیں اور اللہ پاک کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنیں۔ اللہ پاک ہم سب کو مستحقین کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نام ________ ولدیت ________

رجسٹریشن نمبر ________ تعاون کی تفصیل ________ رسید نمبر ________

نام ________ ولدیت ________

رجسٹریشن نمبر ________ شناختی کارڈ نمبر ________

فون نمبر ________ ایڈریس ________

تعاون کی تفصیل ________ مبلغ ________ رسید نمبر ________

چیئرمین مولانا محمد عبید اللہ قاسمی صاحب

وائس چیئرمین حافظ اجود عبید

ام حبیبہ ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
ڈائریکٹر اشرفیہ ایجوکیشنل سکول سسٹم

Ph:042-37428389,Fax:042-37428387